مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا تصور نظم قرآن اور امام فراہیؒ

ایاز احمد اصلاحی

مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۰۴ء-۱۹۹۷ء)[۱] ان علماء و مفسرین میں سے ہیں جنھوں نے اپنی تفسیر کی بنیاد نظم قرآن پر رکھی ہے۔ انھوں نے نظم قرآن کے تعلق سے اپنے بنیادی افکار کو اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں، جو ۹ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے، پوری طرح شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور اہل علم اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ انھوں نے اپنی تفسیر میں از اول تا آخر اپنے استاذ علامہ حمید الدین فراہی کے افکار و خیالات سے بھرپور طریقے سے استفادہ واکتساب کیا ہے، اس میں انھوں نے نہ صرف اپنے استاذ کے تفسیری اصول ونظریات کو ہر مرحلہ میں برتنے کی کوشش کی ہے بلکہ عموماً تمام اہم مواقع پر اور خصوصاً کلام الٰہی کے اجزاء کے داخلی نظم کی تشریح، نحو وصرف کے مسائل، نظم و ترتیب کے اصول اور نظم قرآن کے لحاظ سے مشکل قرآنی آیات وسور کی تاویل کے سلسلہ میں وہ اپنے استاذ کی پوری طرح پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس طرح فلسفہ نظام القرآن کے عظیم شارح و معلم کی طرح مولانا اصلاحی بھی ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کو تفسیر کا اصل الاصول مانتے ہوئے نظم قرآن کو فہم قرآن کا سب سے اہم وسیلہ قرار دیتے ہیں۔[۲] اور چوں کہ ان کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کی سب سے نمایاں پہچان تفسیر کا یہی پہلو ہے اس لیے دوسرے تفسیری مباحث سے صرف نظر کر کے اس مقالہ میں اس کے اسی پہلو پر توجہ مرکوز کی گئی ہے، لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ مولانا فراہی کے شاگرد رشید ہیں اور ان کے قرآنی افکار کا اصل منبع فکر فراہی ہی ہے اس لیے ان کے تصور نظم کا مطالعہ کرنے سے پہلے بہتر ہوگا کہ ہم یہ دیکھیں کہ وہ اپنی فکر کو علامہ فراہی کی فکر سے اور نظم قرآن کے تعلق سے

اپنے تصور کو امام فراہی کے فلسفہ نظام القرآن سے کس طرح وابستہ کرتے ہیں۔ اس پہلو سے جب ہم ان کی تفسیر پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے پہلے ہی صفحہ پر ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

''تفسیر تدبر قرآن میں میں نے اپنی زندگی کے پورے پچپن سال صرف کیے ہیں جن میں سے ۲۳ سال صرف کتاب کی تحریر وتسوید کی نظر ہوئے۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاذ امامؒ نے قرآن کے غور وتدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم وبیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر تدبر قرآن کی صورت میں آ رہا ہے۔ اگر چہ میں اپنی فکر کو حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کے فکر کے ساتھ وابستہ کرنا بے ادبی تصور کرتا ہوں۔ لیکن چوں کہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے عمر بھر استاذ کے ہی سر میں اپنا سر ملانے کی کوشش کی ہے اور میرا فکر ان کے فکر کے قدرتی نتیجہ کے طور پر ظہور میں آیا ہے اس لیے یہ جوڑ ملانے کی جسارت بھی کر رہا ہوں''۔[۳]

کم وبیش انہی الفاظ میں وہ ایک دوسری جگہ اپنے استاذ کا ذکر کرتے ہیں اور نظم پر ان کے کام کو ''سب سے پہلی کامیاب کوشش'' قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعویٰ کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے سب استاذ مرحوم کا ہی افادہ ہے اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے لیکن میں یہ دعویٰ کرنے میں صرف اس لیے احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے''۔[۴]

مولانا فراہیؒ سے مولانا اصلاحیؒ کا استفادہ بنیادی طور سے تین قسموں پر مبنی ہے

(۱) پہلا یہ کہ انھوں نے براہ راست ان کی شاگردی اختیار کر کے ان سے قرآن کا علم حاصل کیا اور نظم قرآن کے تصور کو نہ صرف اصولی طور سے ان سے سمجھا بلکہ نظم کے لحاظ سے آیات اور سورتوں کے تمام اہم مواقع پر ان کی معلمانہ رہنمائی سے فائدہ اٹھایا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ علمی ذخیرے، جن میں پورے قرآن پر علامہ فراہی کے بیش قیمت غیر مطبوعہ قرآنی حواشی بھی شامل ہیں، سے اخذ واستفادہ کیا۔

(۳) قرآنی علوم اور نحو ادب اور فلسفہ جیسے موضوعات پر مشتمل مولانا فراہی کے زیر مطالعہ

رہی ان کتابوں سے استفادہ جن پر ان کے حواشی ہیں۔۵

ان پہلوؤں کی طرف مولانا اصلاحیؒ نے اپنے مقدمہ تفسیر میں مختلف مقامات پر واضح طور سے اشارے کیے ہیں۔ ان کے درج ذیل الفاظ کو غور سے دیکھنے پر یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ اپنے استاذ کے ذخیرہ علمی سے ان کا اخذ واکتساب عام نوعیت کا نہیں ہے۔

"میں بے تکلف یہ بات اس موقع پر ظاہر کردینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ بھی میں نے کیا ہے اس میں زیادہ دخل مجھے نہیں بلکہ میرے استاذ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کو ہے۔ انھوں نے اس طرح کی ساری چیز کو پڑھ کر قرآن کی تفسیر میں کام آنے والی ہر چیز کو نشان زد کردیا تھا، میرا کارنامہ صرف اس قدر ہے کہ میں نے ان چیزوں کو اچھی طرح ہضم کرلیا ہے اور قرآن کی مشکلات حل کرنے، اس کے اسالیب ومحاورات کو جانچنے اور ان کی نزاکتوں اور لطافتوں کو پرکھنے میں میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے"۔۶

بعض اہلِ علم کو غالباً پوری صورت حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مولانا اصلاحی نے محض اصول وافکار کی حد تک مولانا فراہی سے اخذ واستفادہ کیا ہے اور ان کے سامنے افادات فراہی کے نام سے محض بعض چھوٹی سورتوں کی تفاسیر اور قرآنی علوم پر ان کی بعض کتابیں تھیں۔ اس لیے تفسیر تدبر قرآن کے زیادہ تر حصہ میں ان کا فکر اوریجنل ہے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر میں علامہ فراہی کے افکار وآراء کے حوالوں کا اہتمام بہت کم کیا ہے، یہاں تک کہ بیشتر ان مقامات پر بھی جہاں امام فراہیؒ اپنی رایوں میں منفرد ہیں اور مولانا اصلاحیؒ نے انہی پر پورا انحصار کیا ہے۔ ہمارے مطالعہ کی روشنی میں یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ نظام قرآن کی تقریباً تمام ہی اہم بحثوں میں ان کی تفسیر کا انحصار پوری طرح افادات فراہی پر ہے۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے مولانا اصلاحی کے مذکورہ الفاظ کی یاددہانی بھی کافی ہے خاص طور سے مولانا کے یہ الفاظ زیادہ توجہ کے طالب ہیں کہ "اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے سب استاذ

مرحوم کا ہی افادہ ہے اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے"۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے "استفادہ" کا نہیں بلکہ "افادہ" کا لفظ استعمال کیا ہے اور ان دونوں کے معنی و مواقع استعمال میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ مولانا اصلاحی نے افادات فراہی سے کس حد تک فائدہ اٹھایا ہے اور کس حد تک اپنی تفسیر میں ان پر انحصار کیا ہے آئندہ تفصیلات سے وہ بخوبی واضح ہوجائے گا۔

ان عبارتوں کے نقل کرنے کا خاص مقصد یہ ہے کہ ہم نظم پر مولانا اصلاحیؒ کی خدمات کے حقیقی پس منظر سے آگاہ رہیں۔ آئندہ سطروں میں نظم قرآن اور اصول نظم سے متعلق موضوعات کے ضمن میں ان کے افکار اور خدمات کا تو تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا لیکن چوں کہ نظم پر ان کے تصورات بنیادی طور سے اور بڑی حد تک مولانا فراہیؒ کے ہی نظریہ نظام القرآن کا پرتو ہیں اس لیے ساتھ ہی ساتھ ہم امام فراہی کے نظریات اور ان کے تصور نظم کے اہم پہلوؤں کا بھی حسب موقع ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ مولانا فراہیؒ کا تصور نظم قرآن اتنا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ اسے کسی بحث میں ضمناً بیان کرنا بہت مشکل ہے اور اس کا مطالعہ بجائے خود ایک مستقل اور تفصیلی بحث کا طالب ہے۔ یہاں مولانا امین احسن اصلاحی کے تصور نظم کے مطالعہ کے ذیل میں ان کی فکر کا تذکرہ ضمناً اور محدود شکل میں ہی آئے گا، اگر ان سے متعلق کسی پہلو پر بحث تشنہ محسوس ہو تو اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

تصور نظم

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا اصلاحی کے تصور نظم کی بنیادیں مولانا فراہی کے تصور نظام پر استوار ہیں اور کم وبیش تمام ہی مسائل میں انھوں نے "استاذ کے ہی سر میں اپنا سر" ملا کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور سے انھوں نے نظم کی تعریف اور اس کی اہمیت وافادیت کے تعلق سے جو سب سے پہلی بات لکھی ہے وہ نہ صرف مولانا فراہیؒ کے فکر کا حصہ ہے بلکہ الفاظ بھی لگ بھگ انہی کے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"نظم کلام، کلام کا ایسا جزو لاینفک ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی عمدہ

کلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا"۔[۷]

یہ وہی بات ہے جسے علامہ فراہی نے نظم کی ایک اہم دلیل کے طور پر متعدد مقامات پر دہرایا ہے۔ اپنی تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ میں انھوں نے اس پہلو کو نظم کی تیسری دلیل کی شکل میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے۔

"یہ امر ہر شخص کو معلوم ہے کہ نظم کلام، کلام کا ایسا جز ہوا کرتا ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دیجیے تو خود کلام کے مفہوم ومعنی کا ایک حصہ غائب ہو جائے گا۔ ترکیب میں ایک زائد حقیقت ہوتی ہے جو ایک چیز کے متفرق اجزاء میں الگ الگ نہیں ہوا کرتی، انگور اور شراب ایک ہی چیز نہیں ہے۔ اس وجہ سے اگر کوئی شخص فہم نظام سے محروم رہ جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خود کلام کی ایک بڑی حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئی"۔[۸]

قرآن کے مطالب اور مضامین کے مختلف اجزاء میں موجود نظم وربط پر بطور حجت لکھی گئی اپنی کتاب "دلائل النظام"۔[۹] میں وہ اس نکتے کو اس طرح اجاگر کرتے ہیں:

"فلاشک ان الکلام انما هو بنظامه فانه يحسن او يبلغ اقصى البلاغة لا بمحض اجزائه بل بنظمه وترتيبه على ماينبغي فمن اراد ان يطلع على حسن بيانه وقوة استدلاله وتاثيره في النفوس ودلالته على مكنون الحكمة لا بد ان يلتمس ذلك من معرفته بتركيب جملاته، فان ذلك حصل للكلام من مواقع معانيه وترتيبها".[۱۰]

"اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام در اصل اس کے نظام ہی سے عبارت ہے اور اس کا حسن بیان اور زور بلاغت محض اس کے متفرق اجزاء سے نہیں بلکہ اس کے داخلی نظم وترتیب سے حاصل ہوتا ہے۔ پس جو بھی اس کے حسن بیان، قوت استدلال، تسخیر قلوب کی طاقت اور حکمت کے پوشیدہ خزانوں سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو پھر اسے لازماً اس کے جملوں کی باہمی ترکیب یعنی مطالب قرآن کے موقع ومحل اور ان کے باہمی نظم وترتیب کو سمجھنا ہوگا"۔

نظم کلام کی اس دلیل کو امام فراہیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تیسری دلیل یا اصول کے طور پر بیان کیا ہے اور اسے انھوں نے اپنی تفسیر کے بنیادی اصول نظم میں شامل کیا ہے۔ انھوں نے اپنے رسالہ دلائل النظام میں اس پہلو پر "اسباب قلة الاعتناء بعلم النظام" کے تحت بحث کی ہے۔ "الکلام انما هو بنظامه" کے اپنے مخصوص نظریہ سے وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب وہ نظم قرآن پر زور دیتے ہیں تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ نظم کے نام پر باہر سے کوئی چیز قرآن پر مسلط کی جارہی ہے یا یہ محض علمی لطائف کی طرح کی کوئی چیز ہے۔[۱۱] بلکہ اجزائے قرآن کے باہمی نظم وربط پر اس شدت اعتناء کا مقصد صرف یہ ہے کہ نظم کلام، کلام ہی کا ایک جز ہوتا ہے، یا یوں کہنا چاہیے کہ کلام در اصل اس کے نظم یا مطالب کلام کے باہمی ربط وتعلق کا نام ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک اجزائے کلام کے باہمی نظم وربط کے عنصر کو نظر انداز کرنے کا مطلب اس کے اصل مفہوم ومدعا سے خود کو دور کر لینا ہے اور اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر وہ نظم کلام کو فہم کلام کی کلید تصور کرتے ہیں اور بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ "کسی کلام کو سمجھنا اس کے اجزاء کے باہمی ربط ومناسبت کے بغیر ممکن نہیں"۔[۱۲] غرض مولانا اصلاحی نے امام فراہی کے اسی نقطہ نظر سے نظم قرآن پر استدلال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ آیات کی صحیح تاویل اور کلام الٰہی کے مقاصد کو سمجھنے کے لیے اس کے نظام کو نظر میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

مولانا اصلاحی نے ایک اور پہلو سے نظم قرآن پر استدلال کیا ہے جو مولانا فراہی کے مقدمہ تفسیر نظام القرآن سے ماخوذ ہے اور وہ ہے اتحاد امت۔ مولانا فراہی کا خیال ہے کہ ملت اسلامیہ کی تنظیم اور شیرازہ بندی کا واحد ذریعہ قرآن مجید ہے اور اللہ کی یہی کتاب ہے جو ملت اسلامیہ کو تفرقہ وگروہ بندی اور فقہی ومذہبی اختلاف اور انتشار سے محفوظ رکھنے کی واحد ضمانت ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب نظم کلام کے ذریعہ ہم کلام الٰہی کا وہی مفہوم متعین کریں جس کا وہ متقاضی ہو اور ایسا نہ ہو کہ ہر کوئی کلام اللہ کی من چاہی تاویل کرے اور تفسیر وتاویل کے نام پر جدھر چاہے آیات قرآنی کو گھسیٹتا پھرے۔ اس لیے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ قرآن کی تفسیر نظم قرآن کی روشنی میں کی جائے۔[۱۳]

مولانا اصلاحی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ امت کے اختلافات کو رفع کرنے کا واحد راستہ قرآن ہے لیکن خود جب کلام الٰہی کی تاویل میں اختلاف واقع ہو تو اس اختلاف کو رفع کرنے کا واحد معتبر ذریعہ اس کا سیاق وسباق اور نظام ہے لیکن اس نظام پر کما حقہ توجہ نہ دینے کی وجہ سے امت میں بقول ان کے "جو اختلاف بھی پیدا ہوئے اس نے اپنا مستقل علم گاڑ دیا"۔۱۴ مولانا فراہی نے اسے یعنی قرآن کی غلط تاویل کی وجہ سے امت میں پیدا ہونے والے فقہی ومذہبی اختلافات کو ان اسباب میں پہلے نمبر پر رکھا ہے جن کی بنا پر وہ نظم قرآن کی ضرورت واہمیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ مقدمہ تفسیر میں "نظم قرآن" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"(۱) سب سے پہلی چیز جس نے مجھے اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے مجبور کیا ہے یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ تاویل کا بیشتر اختلاف نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور سورہ کا عمود اور مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے"۔۱۵

قرآن، جس کا پیغام "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" ہے اور جو اہل ایمان کے لیے حبل اللہ المتین ہے، اس کی موجودگی میں امت مسلمہ کے افتراق وانتشار پر اپنے سوزِ دروں کا اظہار کرتے ہوئے نظم قرآن کی قدر و قیمت پر وہ ہمیں اس طرح متوجہ کرتے ہیں "حالت یہ ہے ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق قرآن کی تاویل کر رہا ہے اور کلام کو اس کی صحیح سمت سے ہٹا کر جس وادی میں چاہتا ہے گھسیٹے پھرتا ہے، حالاں کہ نظم کلام ہی کلام کی صحیح سمت متعین کرنے والی واحد چیز ہو سکتی ہے۔ اس سے اہل بدعت و ضلالت اور اصحاب تحریف کی کجرویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے"۔۱۶ مولانا اصلاحی نے "نظم کی قدر و قیمت" کے عنوان سے اپنے مقدمہ تفسیر میں نظم کی اہمیت پر جو مضمون لکھا ہے اس کی ابتداء میں ہی مولانا فراہی کے خیال کو پورے زور و تاکید کے ساتھ پیش کیا اور لکھا ہے:

"اس ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی قرآن مجید کی حبل اللہ المتین ہی کے ذریعہ ہوئی ہے اور سب مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ سب مل کر اس رسی کو مضبوطی سے پکڑیں اور متفرق نہ ہوں...... اس ہدایت کا فطری تقاضہ ہے کہ ہمارے درمیان جتنے بھی اختلاف پیدا ہوں ہم اس کے فیصلے کے لیے رجوع قرآن کی طرف کریں، لیکن ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ خود قرآن کے بارے میں ہماری رائیں متفق نہیں ہیں۔ ایک ایک آیت کی تاویل میں نہ جانے کتنے اقوال ہیں...... کسی کلام کی تاویل میں اختلاف واقع ہو تو اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے سب سے زیادہ اطمینان بخش چیز اس کا سیاق و سباق اور نظام ہی ہو سکتا ہے لیکن قرآن کے معاملے میں مصیبت یہ ہے کہ لوگ اس کے اندر کسی نظام کے قائل ہی نہیں"۔۱۷

نظم قرآن کا جامع نظریہ

مولانا اصلاحی کی تفسیر پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی کسی کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ان کے یہاں نظم کا ایک جامع تصور پایا جاتا ہے اور انھوں نے آیات کے عمومی ربط ومناسبت کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ مولانا فراہی کے اس تصور نظام کو عملی طور سے برتنے کی کوشش کی ہے جس میں ہر سورۃ کو ایک وحدت اور پورے قرآن کو کلام واحد کی شکل میں دیکھا گیا ہے انھوں نے نظم آیات، نظم سورہ اور نظم سور کے علاوہ نظم کلام کی ان تمام اقسام اور اس کے اہم پہلوؤں سے بحث کی ہے جس سے قرآن کا مجموعی نظام ابھر کر سامنے آتا ہے۔ انھوں نے اپنے استاذ کے اس تصور کو پوری آب وتاب کے ساتھ دہرایا ہے کہ نظم قرآن صرف قریبی آیات کے ربط کو جیسے تیسے بیان کر دینے کا نام نہیں ہے اور "یہ صرف یہی نہیں بتاتا کہ فلاں آیت کا فلاں آیت سے کیا جوڑ ہے بلکہ اس کا اصلی مقصد دین واخلاق کے اجزاء کے باہمی ربط کو واضح کرنا ہے"۔۱۷ الف۔ اور ان کے

نزدیک یہ ایک ''نہایت اعلیٰ علمی مقصد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تمام آیات و سور ایک مجموعی نظام میں بندھی ہوئی ہیں اور قرآن کے بنیادی مطالب و مضامین کو سمجھنے کے لیے اس نظام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ضروری ہے اور کسی بھی مرحلہ پر اس سے الگ ہونے کا مطلب ہے اس کے حقیقی معنی و مقصود سے خود کو دور کر لینا۔ وہ ایک جگہ اپنے اس نقطہ نظر کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

> ''اور جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق ہر سورۃ کے اندرونی نظم سے ہے یعنی ہر سورہ ایک مستقل وحدت ہے۔ اس کا ایک علاحدہ عنوان و موضوع (عمود) ہے اور اس سورہ کے تمام اجزاء کلام اس عنوان و موضوع سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اب ایک قدم آگے بڑھ کر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن میں بحیثیت مجموعی ایک مخصوص نظام ہے''۔ [۱۸]

امام فراہی نے بعض اہل علم کے مشوروں کے علی الرغم قرآنی اجزاء کے ربط باہمی کے لیے اپنی کتابوں میں ''نظام'' کی اصلاح استعمال کی اور اسی کو پسند کیا کیوں کہ اسی سے ان کے نظام قرآن کی جامع فکر کی نمائندگی ہوتی ہے اور اسے وہ عام علم مناسبت کے مقابلے میں ایک ''شئ زائد'' کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ نظم قرآن کے ہر طالب علم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نظم قرآن کے تعلق سے امام فراہی کی خدمات کا امتیازی پہلو یہی ہے اور قرآن کے مجموعی نظام کے تصور کو انھوں نے اپنی کتاب دلائل النظام اور تفسیر نظام القرآن میں پوری شرح وبسط سے پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب بھی وہ کسی آیت یا سورہ کا نظم بیان کرتے ہیں یا علوم قرآنی کے کسی بھی پہلو پر بحث کرتے ہیں تو ان کا یہ تصور نظام آفتاب و ماہتاب کی طرح ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اسی مقصد سے انھوں نے قرآن کی ہر سورہ کو ایک وحدت کی شکل میں برتا ہے اور تمام سور قرآنی کو موضوع کے لحاظ سے چند گروپ میں تقسیم کیا ہے اور رکوعات اور پاروں کی شکل میں قرآن کی موجودہ تقسیم پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے یہ کہا ہے کہ نظم کلام اس تقسیم سے بالاتر

ہے۔ اور قرآن کے حقیقی نظام کی جستجو میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ موجودہ تقسیم وصل و فصل کے ظاہری تقاضوں کو ملحوظ رکھتی ہے جب کہ ان کے نزدیک نظم کے لحاظ سے ''ایسی تقسیم کی ضرورت ہے جو ربط وانقطاع اور وصل و فصل دونوں کو ظاہر کردے''۔ [۱۹]
اسی مقصد سے انھوں نے ان نظریات پر بھرپور زور دیا ہے کہ (۱) ہر سورہ کا ایک مرکزی موضوع یا ان کی اپنی اصطلاح میں ایک عمود ہوتا ہے جو سورہ کے تمام مضامین کو ایک ساتھ باندھے رہتا ہے۔ [۲۰] (۲) ہر سورہ اپنی سابق ولاحق سورتوں کے ساتھ کسی نہ کسی طور سے معنی و مفہوم کے لحاظ سے مربوط ہوتی ہے اور (۳) جس طرح آیات کے درمیان بعض آیت یا آیات بطور جملہ معترضہ آتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی اپنی بعد والی سورہ سے براہ راست تعلق نہ رکھنے کے بجائے بعد کی کسی سورہ یا سورتوں کے مجموعے سے مربوط ہوتی ہیں اور ان کے درمیان بعض سورہ یا سورتیں بطور معترضہ یا ضمیمہ کے وارد ہوتی ہیں۔ [۲۱]
مختصر یہ کہ نظم کے ان تمام پہلوؤں پر مولانا فراہی نے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے بحث کی ہے اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جو ان سے پہلے نظم کے قائل دیگر علماء و شارحین کے یہاں ہمیں نہیں ملتیں۔ یہ مولانا اصلاحی کا کمال ہے کہ انھوں نے اپنے استاذ کے ان بنیادی اصول نظم کو اس طرح برتا ہے کہ اس سے قرآن کے مجموعی نظام پر یقین کرنا قرآن کے عام طالب علم کے لیے بھی آسان ہوجاتا ہے، چاہے وہ عمود سورہ کا تصور ہو یا تصور وحدت سورہ یا آیات اور سورتوں کا بطور ضمیمہ یا جملہ معترضہ وارد ہونا یا اسباب نزول کا نظم کلام کے تابع ہونا اور سور قرآنی کے مختلف گروپوں کے عمود کا تصور اور اس کی جستجو کا طریقہ، ان تمام مسائل میں انھوں نے اپنے استاذ امام فراہیؒ کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ ان میں تصور عمود سورہ، سور قرآنی کے مختلف حصوں کے عمود کا تصور اور قرآن میں بیان کیے گئے اسلامی احکام و شرائع کے درمیان موجود باہمی نظم و ربط [۲۲] کے نظریات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں اور یہ امام فراہی کی وہ دریافتیں ہیں جن میں کوئی اور ان کا شریک و سہیم نہیں۔ نظم قرآن کی تاریخ میں آیات کے درمیان نظم و مناسبت بیان کرنے والے تو ہمیں بہت سے مل جائیں گے لیکن قرآن کے مجموعی نظام کا تصور دینا اور اس تصور کو اصول و شرائط سے مزین کرنا مولانا

فراہی کا امتیازی کارنامہ ہے۔ اور مولانا اصلاحی نے نظم کے اسی جامع نظریہ کی طرف اپنی مذکورہ عبارت میں اشارہ کیا ہے۔ نیز نظم کے یہی اصول وشرائط ہیں جن کا انھوں نے تدبر قرآن کے مقدمہ میں خلاصہ بیان کیا ہے۔۲۳

تصور عمود:

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ مولانا فراہی کے تصور نظام میں عمود کے تصور کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے جس کے گرد اس کے تمام اجزاء گردش کرتے ہیں۔ خود عمود کی اصطلاح مولانا فراہی کی ایجاد ہے جسے مولانا اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی مقصد کے لیے استعمال کیا ہے اور مرکزی موضوع کے بجائے اپنے استاذ کی اسی اصطلاح کا استعمال پسند کیا ہے اور اس کی اہمیت کی طرف انھوں نے اپنے مقدمہ تفسیر میں بھی اشارہ کیا ہے جس کا حوالہ گزشتہ سطروں میں دیا جاچکا ہے۔ اور انھوں نے اس کی اہمیت ہی کے پیش نظر ہر سورہ کی تفسیر سے قبل اس کے عمود کی وضاحت کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ غرض یہ کہ مولانا فراہی کے نزدیک یہ نظم کا ایک اہم ستون ہے کیوں کہ سورہ کے مجموعی نظام کا انحصار کسی عمود یا مرکزی موضوع پر ہوتا ہے۔ وہ ایک جگہ انتہائی جامع انداز میں اپنے تصور عمود پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

> ''اسے خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورہ کی اپنی ایک مخصوص شناخت ہے، بے شک جب سورہ کے مضامین ومطالب ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں گے اور وہ سب ایک عمود (مرکزی موضوع) کی طرف رواں دواں ہوں گے اور پورا کلام مجموعی لحاظ سے ایک وحدت میں ڈھل جائے گا تو اس وقت وہ ہمیں یقیناً اپنے ایک متعین تشخص کے ساتھ نظر آئے گی۔ جب آپ کلام الٰہی کا اس پہلو سے مطالعہ کریں گے تو اس میں ایک خاص

قسم کا حسن استحکام اور اعجاز بیانی نظر آئے گی''۔۲۴

مختصر یہ کہ ان کے نزدیک ''عمود سورہ کا علم ہی نظام سورہ کی معرفت کی کلید ہے''۔۲۵

نظم سورہ کی ایک مثال

گزشتہ سطروں میں امام فراہی کے جس اصول نظم کی طرف مختصراً اشارہ کیا گیا مولانا اصلاحی نے قرآن کی تمام سورتوں کی تفسیر میں حتی الامکان اسے برتنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا اصلاحی کسی سورہ کے نظم کی تفسیر سے پہلے اس کا اصل موضوع (عمود) واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے علاوہ اس سورہ کا گزشتہ سورہ سے ربط وتعلق بیان کرتے ہیں۔ سورہ کے بنیادی مطالب کا تجزیہ پیش کرتے اور ان کے باہمی ربط پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد وہ سورہ کو مختلف مجموعہ ہائے آیات میں تقسیم کرکے حسب ترتیب ان کا ترجمہ اور تفسیر اور نظم واضح کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اس کے بعد وہ سورہ کی آیات کو مزید چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرکے اس کی تفسیر وتاویل کرتے جاتے ہیں، یہاں ایک مثال کے ذریعہ سورہ کے ابواب کے سلسلہ میں ان کی تشریحات کو سامنے رکھ کر سورہ کے مجموعی نظام کے تعلق سے ان کے تصور اور طریقہ بحث کا مطالعہ کیا جائے گا۔ کسی سورہ کی تفسیر میں وہ اس کے نظم کو کس طرح بیان کرتے ہیں اسے جاننے کے لیے کسی سورہ کی تفسیر پر بطور مثال نظر ڈالنا ضروری ہے، اس مقصد سے ہم نے بعض وجوہ سے سورہ نساء کو منتخب کیا ہے۔ قرآن کے طالب علم جانتے ہیں کہ قرآن کی مدنی سورتوں میں سورہ نساء کو بعض پہلوؤں سے بڑی اہمیت حاصل ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ قرآن کی ان طویل سورتوں میں سے ایک ہے جن کے اندر معانی ومطالب کے تنوع کی وجہ سے نظم کی مشکلات ایک دو جگہ نہیں بلکہ بار بار پیش آتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ سورہ نساء قرآن کے پہلے مجموعہ کی سورتوں میں ترتیب کے لحاظ سے اس مقام پر ہے جہاں اسلوب، مخاطب اور مطالب میں ایک خاص تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا اصلاحی کے

تصور نظم کو سمجھنے کے لیے ان کی تفسیر سے سورہ نساء کا مطالعہ ہمارے لیے معاون بن سکتا ہے۔ اس کی ایک تیسری وجہ بھی ہے جو آگے کی سطروں سے خود بخود واضح ہو جائے گی۔

تدبر قرآن سے نظمِ سورہ کی ایک مثال۔ نظام سورہ نساء۔

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے اس کا تعلق:

نظم قرآن کی روشنی میں اس سورہ کی تفسیر کا آغاز انھوں نے حسب معمول سورہ کا عمود یعنی اس کے مرکزی موضوع کی وضاحت سے کیا ہے۔ اس سورہ کا عمود ان کے نزدیک مسلمانوں کو معاشرتی اور اجتماعی طور سے اتحاد اور اتفاق یا ان کے لفظوں میں (اجتماعی اتصال) کی تعلیم دینا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پچھلی سورہ کا اختتام ثابت قدمی کی تعلیم (یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا) پر ہوا ہے اور اس سورہ میں ثابت قدمی کے لیے جو باتیں ضروری ہیں انھیں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، ان کی اصل ہے مسلمانوں کا سماجی اتحاد و جماعتی اتصال۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس کے بغیر کسی بھی سماج میں ثبات واستقلال کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ان کے بقول ”ثابت قدمی بالخصوص اجتماعی ثابت قدمی بغیر مضبوط جماعتی اتصال“ کے ممکن نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں سورہ کے مرکزی موضوع کے طور سے ان کے نزدیک اس سورہ میں وہ ساری چیزیں بیان ہوئی ہیں ”جو اسلامی معاشرہ اور اس کے فطری نتیجہ ”اسلامی حکومت“ کو مستحکم رکھنے اور اس کو انتشار سے بچانے کے لیے ضروری ہیں“۔۲۶

تمہید

ان کے نزدیک سورہ کی پہلی آیت اس کی تمہید ہے جس میں اللہ سے ڈرنے اور رشتہ رحم کا خیال رکھنے کی ایک عام اسلوب میں نصیحت کی گئی۔ اس سورہ کا آغاز اس طرح ہوا ہے ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا......“ اس میں تمام مردوں اور عورتوں کو ایک ہی باپ کی اولاد کہہ کر یہ یاد دلایا گیا ہے کہ سب کا رشتہ رحمی مشترک ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ سب اپنے پیدا کرنے والے سے ڈریں اور اجتماعی

سے ان رشتوں کو مضبوط رکھیں، جن کا یہاں ذکر ہوا ہے۔ اس تعلیم کا سورہ کے مرکزی موضوع سے اس طور سے تعلق ہے کہ ان ہی دونوں بنیادوں پر اسلامی معاشرہ کی عمارت کھڑی ہے۔۲۷ وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں ”زیر بحث آیت ایک جامع تمہید ہے ان تمام احکام وہدایات کے لیے جو انسانی معاشرہ کی تنظیم کے لیے اللہ نے اتارے ہیں اور جو آگے (اس سورہ میں) آرہے ہیں“۔۲۸

سورہ کے ابواب

انھوں نے نظام سورہ کی رعایت سے سورہ کے مجموعی مضامین کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل آگے پیش کی جارہی ہے۔

(الف) معاشرتی اصلاح واستحکام کی تعلیم:۲۹ (آیات ۱ تا ۴۳)

ان میں بنیادی طور سے سورہ کے مرکزی موضوع کے لحاظ سے معاشرتی زندگی کے احکام وقوانین بیان ہوئے ہیں۔ معاشرتی احکام وہدایات کی تفصیل اس طرح ہے۔ سب سے پہلے اللہ سے اجتماعی طور سے ڈرتے رہنے کی ہدایت ہے(۱) اس کے بعد حقوق یتمی کی حفاظت اور اس کے طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے (۲-۱۰) تقسیم وراثت کے احکام (۱۱-۱۴) یہاں تک کے مجموعہ آیات میں مالی ومادی راہوں سے پیدا ہونے والے مفاسد کا سد باب ہے، اب آگے صنفی وجنسی انتشار اور شہوانی بے قیدی کی روک تھام کے لیے معتدل احکام وہدایات کا ذکر ہے(۱۵-۱۸)، عورتوں کے حقوق کی حفاظت، ان پر بے بنیاد الزام لگانے سے احتراز کرنے کا بیان، مسائل نکاح وشرائط نکاح کی تفصیل (۱۹-۲۴، ۲۳، ۲۵)، بیچ میں تین آیات بطور تنبیہ وتذکیر جن کا مقصد ان آیات میں مذکور احکام کی قدر وقیمت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا ہے (۲۶-۲۸)، بعض امور کے ضمنی تذکرہ کے بعد پچھلے احکام وحدود سے متعلق مزید وضاحتیں (۲۹-۳۲)، تنظیم خاندان کے تعلق سے اصولی ہدایت (۳۴-۳۵)، پھر ان کے نزدیک ”آگے خاتمہ باب کی آیات ہیں“، گویا معاشرتی احکام کا جو سلسلہ ابتداء سے چلا تھا وہ یہاں ختم ہوگیا ہے۔ اس میں

حقوق اللہ اور حقوق عباد دونوں کی یاد دہانی ہے۔(۳۶-۴۳)۔[۲۹الف]

(ب) مخالفین پر تبصرہ اور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی[۳۰]:

یہ باب آیات ۴۴ تا ۱۲۶ پر مشتمل ہے۔ مولانا اصلاحی تقسیم مطالب کے لحاظ سے اس مجموعہ آیات یا باب کو اس طرح متعارف کراتے ہیں۔

''آیات ۴۳ پر جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں اصلاح معاشرہ سے متعلق احکام کا باب ختم ہوگیا۔ آگے اس ردعمل کا بیان آرہا ہے جو ان اصلاحات کے مخالفین کی طرف سے ظاہر ہوا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو ایک مملکت کی بشارت سنائی جارہی ہے جو معاشرہ کے بلوغ وکمال کا نتیجہ ہے۔ مخالفین میں سب سے پہلے یہود کو لیا ہے اس لیے کہ حامل کتاب ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ ان ہی لوگوں کو اصلاحات کا حامی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن بدقسمتی سے سب سے زیادہ مخالفت انہی کی طرف سے ہوئی۔''[۳۱]

اس وضاحت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کس طرح درجہ بدرجہ سورہ کی آیات اور اس کے مختلف مجموعہ ہائے مضامین کے باہمی ربط ونظم کو بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد ان کی تقسیم کے مطابق اس باب کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے۔

یہاں اس حصہ کا نظم انھوں نے جس طرح بیان کیا ہے اس کے مطابق سب سے پہلے اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس کے استحکام کے خلاف یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کا ذکر ہوا اور ان کی مخالفتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے (۴۴-۵۷) پھر مسلمانوں کو یہ تنبیہ کہ شریعت الٰہی کی جو امانت یہودیوں سے لے کر ان کے سپرد کی جارہی ہے اس کی قدر کریں اور اس کا حق ادا کرتے رہیں اور ان کی جیسی روش اختیار کرنے سے کلی طور پر احتراز کریں تاکہ اس انجام بد سے انھیں دو چار نہ ہونا پڑے جس سے قوم یہود اپنے کرتوتوں کی وجہ سے دوچار ہوچکی ہے۔ اس کے بعد ان کو تفرقہ اور

اختلاف سے بچنے، اطاعت رسول اور مسلمانوں کی وحدت وترقی کے دشمن منافقین سے ہوشیار رہنے اور ہمیشہ حق وعدل کی راہ پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی اور اس کے علاوہ ان راستوں کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے جو انھیں متحد رکھنے کی ضمانت ہیں (۵۸-۷۰)۔ اس کے بعد مسلمانوں سے خطاب ہے لیکن روئے کلام منافقین کی طرف ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اسلام کے مدعی تو ہیں لیکن اس کی راہ میں کسی قربانی کے لیے تیار نہیں۔ مسلمانوں کو بھی ان جیسی روش سے پرہیز کرنے اور ہر حالت میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار رہنے کی ہدایت ہے۔ جہاد کی عظمت واہمیت کا بیان ہوا ہے (۷۱-۷۶)، پھر منافقین کا مزید تذکرہ ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں اور وسوسہ اندازیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں ضروری امور کی تفصیل ہے۔ اس کے علاوہ موت سے منافقین کے ڈرنے کی ایک مثال کے ذریعہ رسول کو تسلی وتسکین دی گئی ہے (۷۷-۸۵)، منافقین کی اصلاح کے لیے انھیں مزید موقع دینے کے سلسلے میں رسول کو یہ ہدایت کہ وہ ان کی ہرزہ سرائیوں سے اعراض ضرور کریں (۸۱) لیکن ابھی ان سے بالکل قطع تعلق نہ کریں۔ اس کے علاوہ معاوضہ قتل اور قصاص، دوسرے لفظوں میں اسلامی حدود کا بیان ہے (۸۶-۱۰۰)۔ دوران جنگ نماز (صلوٰۃ الخوف) کے سلسلہ میں ضروری احکام دیے گئے ہیں جس سے نماز وجہاد کی اہمیت اور ساتھ ہی ان کے باہمی تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔[۳۲] (۱۰۱-۱۰۴)، پیغمبر کو ہدایت کہ تم پر نازل ہونے والی کتاب ہی حق وباطل کی اصل کسوٹی ہے۔ اسی کے مطابق فیصلہ کرو کسی کے ساتھ (بشمول منافقین) حق کے معاملہ میں کوئی رعایت نہ کرو، اس کے بعد منافقین اور اعدائے اسلام کے لیے نرم گوشہ رکھنے والے مسلمانوں کے لیے تنبیہی کلمات ہیں (۱۰۵-۱۱۵)، اہل نفاق کو ان کی منافقانہ سرگرمیوں پر دھمکی دی گئی ہے اور ان کے ان جرائم کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے وہ جہنم رسید ہوں گے۔ پھر شرک اور اہل شرک کے انجام اور اہل توحید کی کامیابیوں کا تذکرہ ہے۔ (۱۱۶-۱۲۶)

(ج) اختتامیہ: مسلمانوں کو ضروری نصیحت اور مخالفین حق کو تنبیہ[۳۳]

یہ باب آیات ۱۲۷ تا ۱۶۷ پر مشتمل ہے۔ یہ سورہ کا اختتامی حصہ ہے، اس

اختتامی باب کے بنیادی مضمون کے بارے میں ان کے تمہیدی کلمات یہ ہیں۔

''اسلامی معاشرہ کی تاسیس، تنظیم اور تطہیر سے متعلق جو باتیں اصولی تھیں وہ اوپر کی آیات پر تمام ہوئیں۔ اب آگے کا حصہ سورہ کے آخر تک خاتمہ سورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں پہلے بعض سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں جو اسی سورہ کی آیات ۲ تا ۴ میں بیان کردہ احکام کے مطابق بعد میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد آخر سورہ تک مسلمانوں کو، منافقین کو اور اہل کتاب کو خطاب کرکے آخری تنبیہ کی نوعیت کی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ یہ سوالات بعد میں پیدا ہوئے اس کی وجہ سے ان کے جواب سورہ کے آخری باب کے ساتھ رکھے گئے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ یہ بعد میں نازل ہوئی ہیں''۔۳۴

ان کی تقسیم کے مطابق اس مجموعہ کے مطالب کی ترتیب درج ذیل ہے، اس کا آغاز ۱۲۷ سے ہوتا ہے اور اس مجموعہ کے مضمون اور سورہ کے نظام کو سمجھنے کے لیے ان کی نظر میں ابتدائی آیات ۱ تا ۴ کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔۳۵

سب سے پہلے آیات ۲ تا ۴ میں بیان کردہ بعض پہلوؤں کی دوبارہ وضاحت ہے، وہاں یتامیٰ کے حقوق کے تحفظ کی غرض سے ان کی ماؤں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر چار کی قید اور ادائے مہر و عدل کی شرط لگی ہوئی ہے۔ اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ شادی کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیے کہ یتیموں کی مصلحت سے نکاح میں لائی گئی عورتوں کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے، اگر کسی پر ان حقوق کی ادائیگی گراں گزر رہی ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ وہ حق وعدل پر قائم نہ رہ سکے گا تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے کہ وہ ان سے نکاح ہی نہ کرے، البتہ مہر اور دیگر مسائل میں عورت کی رضامندی سے ان دونوں کو آپسی مفاہمت کا اختیار ہے۔ جہاں تک عدل و مساوات کا معاملہ ہے تو اس میں اصل مقصود نیت کی صفائی ہے اور عدل و مساوات کا یہ معنی نہیں ہے کہ فطری میلان اور ظاہری اور شرعی سلوک کو بالکل ترازو کے کانٹے کی طرح برابر رکھا گیا ہے۔ ۳۶

(۱۲۷-۱۳۴)۔ اس کے بعد مسلمانوں کو ان کے فریضہ منصبی کی یاد دہانی نیز منافقین کی طرف سے چوکنا رہنے کی تلقین کی گئی ہے او رمنافقین کے لیے تنبیہ و تہدید ہے (۱۳۵-۱۵۲)، اہل کتاب کے جرائم بیان کرتے ہوئے انھیں سخت ترین الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے کہ یا تو وہ اپنی اصلاح کریں یا پھر اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہاں لہجہ اتنا سخت ہے کہ بقول صاحب تدبر ''لفظ لفظ سے جوش غضب ابل رہا ہے''۔۳۷ (۱۵۲-۱۵۳) اس کے بعد رسول کو ان کی رسالت کی حقانیت کے تعلق سے تسلی و تشفی کے کلمات کے ساتھ اہل کتاب کو ان کے انکار حق پر سخت نتائج سے متنبہ کرتے ہوئے رسول خاتم ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی (۱۶۲-۱۷۵)۔ اس کے بعد ایک آیت بطور ضمیمہ آئی جس میں ابتداء سورہ (آیت ۱۲) میں بیان کردہ احکام و مسائل سے متعلق ایک خاص مسئلہ ''کلالہ'' کی دوبارہ وضاحت کی گئی ہے (۱۷۶)۔

اس حصہ کی آیات کی تفسیر کے آخر میں وہ آیت ۱۷۶ کے نظم کے تعلق سے لکھتے ہیں: ''اس سے پہلے والی آیات (۱۶۳-۱۷۵) پر سورہ کے مطالب کا اختتام ہو گیا۔ یہ آیت بطور ضمیمہ آخر میں لگادی گئی ہے۔ جس میں احکام وراثت کے متعلق ایک مسئلہ کی توضیح ہے۔ اس کی طرف (کذالک یبین اللہ......) کے الفاظ سے اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ یہ آیت ایک توضیحی آیت ہے''۔۳۸ ان تفصیلات سے جو نظم سورہ کی مثال میں اوپر پیش کی گئیں، تین باتیں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں جو یہ ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ مولانا اصلاحی نے اپنے استاذ کی طرح سورہ کی توضیح و تفسیر کے وقت عمود سورہ اور پوری سورہ کے مجموعی نظام کو سامنے رکھنے اور دیگر اصول نظم کو عملی طور سے برتنے کی پوری کوشش کی ہے۔ انھوں نے اس سورہ کی تفسیر میں جو طریقہ تفسیر اختیار کیا ہے وہی طریقہ دوسری طویل مدنی سورتوں کی تفسیر میں ہمیں ان کے یہاں نظر آتا ہے یہاں تک کہ سورہ کی آیات کے مختلف مجموعوں پر ترتیب وار بحث کرنے اور پھر اپنی تقسیم کے مطابق نظم کی روشنی میں سورہ کے چھوٹے چھوٹے اجزاء کی تاویل و تفسیر کرنے کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) ان کی تفسیر کا دوسرا نمایاں پہلو یہ ہے کہ نظم سورہ کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق میں مولانا فراہی کے اصولوں اور افادات سے بھر پور استفادہ کے باوجود اردو ترجمہ قرآن، زبان وبیان اور منطقی طرز استدلال کے لحاظ سے تدبر قرآن میں ان کا اپنا ایک مخصوص رنگ ابھر کر سامنے آتا ہے جو تدبر قرآن کا ایک امتیازی پہلو ہے۔

(۳) سورہ کے پہلے حصہ میں ان کے نزدیک ان اصلاحات کا ذکر ہے جو قرآن میں عرب اسلامی معاشرہ کے لیے تجویز ہوئیں۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں بیان کردہ تمام احکام وہدایات کو فاضل مفسر نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ان میں سے شروع سے آخر تک ایک گونہ مناسبت قائم نظر آتی ہے اور وہ تمام سورہ کے مرکزی موضوع یعنی مسلمانوں کے جماعتی اتصال واتحاد، وصلہ رحمی اور تقویٰ کے مسائل سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ سورہ میں دوسرا حصہ پہلے حصہ سے بظاہر الگ دکھائی دیتا ہے لیکن انہوں نے آیات کے معنوی نظم کی تشریح کر کے دوسرے حصہ کو پہلے حصہ سے بڑی خوبصورتی سے مربوط کیا ہے اور ساتھ ہی ربط کی مختلف شکلیں بھی واضح کردی ہیں۔ یہاں ان کے مطابق پہلے حصہ میں مسلمانوں کے لیے احکام واصلاحات کا ذکر ہے اور بعد کے حصہ میں پیش کی گئی اصلاحات کی مخالفت کرنے والوں پر تبصرہ ہے اور منافقین کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کی تدابیر کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ مسلم سماج داخلی طور سے مضبوط و مستحکم اور متحد رہے۔ اس کے بعد تیسرے حصہ میں اختتامی کلمات کے طور پر پچھلے امور کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں پچھلی آیات میں بیان کیے گئے بعض احکام جیسے حقوق یتامیٰ اور مسئلہ وراثت (کلالہ) سے متعلق ممکنہ شبہات اور سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں، اسی کے ساتھ اس میں رسول ﷺ واصحاب رسولؐ کی تسلی اور دل جوئی کی طرف بھی کلام کو موڑا گیا ہے اور آخر میں مخالفین اسلام کو سخت ترین الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے۔ اس طرح اس خلاصے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کی تفسیر سے سورۂ نساء کا نظام اور اس کا عمود واضح ہوکر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ ان کے کسی نظریہ یا تاویل سے اختلاف کی گنجائش سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن اس حقیقت کے اعتراف سے شاید ہی کوئی گریز کرے کہ انھوں

نے اپنی تفسیر میں نظم کو خصوصی مقام دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سورہ کے اجزاء میں از اول تا آخر ایک منطقی ترتیب محسوس ہوتی ہے۔

افادات فراہی سے اخذ واستفادہ

جب بھی مولانا اصلاحیؒ اور نظم قرآن کی بات ہوگی مولانا فراہی کا نام اور ان کے افکار فطری طور سے بحث کا حصہ بن جائیں گے۔ مولانا اصلاحی کی تفسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے جو سب سے بڑا سوال ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہی ہے کہ نظام سورہ کی توضیح کی اپروچ میں وہ اپنے استاذ سے کس حد تک استفادہ کرتے ہیں۔ اب تک کی تفصیلات سے بڑی حد تک یہ واضح ہو چکا ہے کہ مولانا اصلاحی کے تصور نظم کی بنیاد اصلاً مولانا فراہی کے نظریہ نظم قرآن پر قائم ہے، اس کا اثر نہ صرف ان کے مقدمہ تفسیر بلکہ پوری تفسیر میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے اور مولانا فراہیؒ کے قرآنی افکار کا علم رکھنے والے اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ مولانا اصلاحیؒ کی بیشتر قرآنی تالیفات کی اساس فکر فراہیؒ پر استوار ہے۔ تدبر قرآن میں جہاں انھوں نے فراہیؒ کا حوالہ دیا ہے وہاں بھی اور جہاں نہیں دیا ہے وہاں بھی، نظم قرآن کے تعلق سے افادات فراہی کا اثر اتنا گہرا ہے کہ اسے بادی النظر میں بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بعض اہل علم غالباً مولانا فراہی کا پورا علمی سرمایہ پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے اس نتیجہ پر پہونچے کہ مولانا اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر میں نظم قرآن کے بہت سے ایسے نئے گوشوں کو بھی دریافت کیا ہے جو فراہیؒ کے یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض کا یہ بھی کہنا ہے کہ انھوں نے خاص طور سے قرآن کی طویل سورتوں کے دوران تفسیر نظم قرآن کی تشریح کا جو طریقہ اپنایا ہے وہ خالصتاً ان کا اپنا ہے۔ ان مواقع پر تاویل آیات اور نظم کلام کی شرح میں بھی وہ خود کفیل ہیں اور ان مقامات پر اپنے استاذ سے نہیں کے برابر اکتساب کیا ہے۔ اس نظریہ کے قائلین میں ایک نمایاں نام پروفیسر مستنصر میر صاحب کا ہے، جنھوں نے امریکہ میں مولانا اصلاحی کے تصور نظم پر Coherence in Quan- A Study of Islahi's Concept of Nazm" کے عنوان سے

ڈاکٹریٹ کی ہے۔[۳۸الف] مستنصر میر صاحب کی کتاب میں جگہ جگہ یہ تاثر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے مولانا فراہی کے تصور نظم کا صرف اتباع نہیں کیا ہے بلکہ ان سے آگے بڑھ کر بعض لحاظ سے نظم کے بہت سے اوریجنل (Original) پہلو پیش کیے ہیں جو اس فیلڈ میں ان کا اضافہ ہے۔[۳۹] حتی کہ بعض پہلوؤں سے اپنے استاذ کے مقابلہ میں ان کا کام زیادہ ایڈوانس (Advanced) اور واضح ہے۔[۴۰] لیکن یہ رائے مختلف وجوہات سے محل نظر ہے۔ حقیقت حال کا جائزہ لینے کے لیے اس پہلو کا قدرے تفصیل سے تجزیہ کیا جائے گا۔

فاضل مصنف نے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ اگرچہ نظریہ و اصول اور فراہی کے ذریعہ لکھی گئی تفاسیر کی حد تک مولانا اصلاحی کا نظریہ مولانا فراہی سے ماخوذ و مستفاد ہے۔[۴۱] لیکن جہاں تک مدنی سورتوں کی تفسیر کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں ان کے سامنے اپنے استاذ کا پیش کردہ کوئی ماڈل نہیں تھا بلکہ پیش نظر صرف ان کے اصول و قواعد تھے اور بقول ان کے یہ ممکن بھی نہیں تھا اس لیے کہ امام فراہیؒ کی فرصت حیات نے انھیں اپنے اصولوں کے مطابق چند مکی سورتوں کی تفسیر سے آگے کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ جہاں تک مدنی سورتوں کا معاملہ ہے تو ان کی تفسیر میں اصلاحی کو ان اشارات کے علاوہ جو فراہیؒ کے کتابوں میں موجود ہیں، ان سے بہت زیادہ مدد نہیں ملی۔ اس وجہ سے فراہی کے اصولوں کو سامنے رکھ کر انھوں نے طویل اور مشکل سورتوں کا نظم خود اپنے طور سے بیان کیا ہے۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں انھوں نے سورہ نساء کو بطور مثال پیش کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ انھوں نے نہ صرف اپنے استاذ فراہی کے اصولوں کو بڑی خوبصورتی سے برتا ہے بلکہ اس سورہ کے عمود اور اس کے بنیادی اجزاء کے باہمی نظم کو جس طرح بیان کیا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ طویل مدنی سورتوں پر نہ صرف ان کا کام بڑی حد تک طبع زاد ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے فراہی سے زیادہ بہتر ہے اور خاص طور سے سورہ کا عمود بیان کرنے میں ان کی اپروچ (Approach) نسبتاً زیادہ واضح ہے۔ اس کے علاوہ میر صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس مثال سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سورہ کا عمود اور نظام

سورہ کی تحقیق میں انھوں نے فراہی کی تکنیک دہرانے کے بجائے طریق نو کی طرح ڈالی ہے۔[۴۲] اس بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"But a close look at the Islahi's treatment of An-Nisa reveals that he has also developed a new technique that helps explain the Nazm of Quranic Surahs, especially Madinan Surahs,"[۴۳]

بعض امور کی وضاحت

مستنصر میر صاحب کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے اوپر ہم نے ان کی تحریر کا جو خلاصہ پیش کیا ہے وہ اس بات کی نفی کرتا ہے جو نظم قرآن کے باب میں مولانا اصلاحی کے مولانا فراہی سے اخذ واکتساب کے تعلق سے اب تک پیش کی گئی ہے۔ اس لیے حقیقت واقعہ کا تفصیل سے جائزہ لے کر یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ فاضل محقق کے نتائج تحقیق کس حد تک صورت واقعہ کے مطابق ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے دعوی کا کوئی خاص ثبوت پیش نہیں کیا ہے، سوائے اس کے کہ مدنی سورتوں پر فراہیؒ کی تفسیر کا کوئی ماڈل اصلاحی کے سامنے نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ بڑی مدنی سورتیں نوع بہ نوع مضامین وموضوعات کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے چھوٹی سورتوں کے مقابلہ میں نظم کے لحاظ سے زیادہ بڑے چیلنج پیش کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور چیز ان کے استدلال کی بنیاد نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں واقعی صورت حال کیا ہے۔

خود سورۂ نساء کی یہ مثال جسے انھوں نے بطور ثبوت پیش کیا ہے ان کے اس دعوی کی توثیق نہیں کرتی کہ طویل سورتوں میں اصلاحی نے فراہی سے کوئی رہنمائی نہیں لی ہے یا یہ کہ مولانا فراہی کا قیمتی ذخیرۂ علمی اس راہ میں ان کا معاون نہیں بن سکا۔ یہاں اس سے پہلے کہ سورہ نساء کے نظم سے متعلق بعض مثالوں کی بنیاد پر یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے

کہ اس سورہ کی تفسیر میں انھوں نے اپنے استاذ کے افادات سے کہاں تک فائدہ اٹھایا ہے، دو امور کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے:

(۱) یہ بات اپنے اندر کوئی خاص وزن نہیں رکھتی کہ مکی سورتوں کے مقابلہ میں مدنی سورتیں نظم کے لحاظ سے زیادہ مشکل ہیں یا یہ کہ چھوٹی سورتوں کا نظم (جو بیشتر مکی ہیں) طویل سورتوں (جو زیادہ تر مدنی ہیں) کی بہ نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض پہلوؤں سے جیسے مطالب کی کثرت وتنوع، طویل سورتوں کے نظم کی تحقیق ہمت شکن ہوتی ہے تو بعض وجوہ سے مکی سورتوں کا نظم بھی پیچیدہ اور مشکل ہوتا ہے۔ ان وجوہات میں ایک سب سے بڑی وجہ ان کے اندر موجود انتہائی درجہ کا ایجاز ہے۔ طویل سورتوں میں یہ آسانی ہوتی ہے کہ وہاں ہم مفصل کلام سے مجمل کو، عام سے خاص کو، مقدم سے مؤخر کو، اور مؤخر سے مقدم کو سمجھ لیتے ہیں لیکن چھوٹی سورتوں میں ہمیں یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی بلکہ چھوٹی چھوٹی آیات تہہ در تہہ معنی کا سمندر ہوتی ہیں جن میں غواصی کیے بغیر نظم کلام کے موتیوں کو اکٹھا کرنا ممکن نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ مولانا فراہی نظم کے لحاظ سے چھوٹی بڑی دونوں ہی قسم کی سورتوں کو یکساں اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں۔ وہ ایک جگہ اپنی رائے کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

> "اگر تم چھوٹی سورتوں پر تدبر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ربط ونظام کے لحاظ سے وہ بھی بڑی سورتوں کی ہمسر ہیں۔ چھوٹی سورتوں کے اندر بھی ربط و پیوستگی کی وہ تمام نزاکتیں موجود ہیں جو بڑی سورتوں کے اندر ہیں"۔ [۴۴]

(۲) اس سلسلے میں دوسری اہم بات مولانا فراہی کے افادات سے متعلق ہے۔ ہمارے نزدیک یہ سمجھ لینا کہ مدنی سورتوں سے متعلق مطبوعہ وغیر مطبوعہ افادات فراہی کا کوئی حصہ ان کے پیش نظر نہیں تھا ایک ایسی بات ہے، جس کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی اسی کو ہوسکتی ہے جسے کسی وجہ سے مولانا کی تمام تفسیری خدمات اور نظم قرآن سے متعلق ان کے تمام علمی ذخائر کا پورا علم نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ فراہی کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تحقیقات

کا اچھا خاصہ ذخیرہ ان کے سامنے تھا جن کا ذکر انھوں نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر کیا ہے اور جس کی طرف ہم اس مضمون کی ابتداء میں اشارہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ حال ہی میں شائع ہونے والی مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورہ بقرہ، غیر مطبوعہ تفسیر سورہ آل عمران و سورہ حج اور بعض دیگر نامکمل تفاسیر (جس کا تذکرہ خود میر صاحب نے کیا ہے) کے مخطوطے ان کے سامنے موجود تھے۔ تفسیر سورہ بقرہ مولانا فراہیؒ کی اب تک کی مطبوعہ تفسیروں میں اس لحاظ سے سب سے اہم ہے کہ اس میں انھوں نے اپنے مخصوص تصور نظام کو مکمل طور سے برتنے کی کوشش کی ہے۔ [۴۵] ان مطبوعات اور مخطوطات کے علاوہ مولانا فراہی کے انتہائی اہم قرآنی حواشی بھی ان کے پاس موجود تھے۔ ان حواشی میں نظم کے لحاظ سے تقریباً سبھی مشکل آیات کا نظم، سورتوں کے مرکزی موضوعات اور ان کے بنیادی مضامین کی طرف نشاندہی کردی گئی ہے۔ مزید براں ان کی کتاب "دلائل النظام" میں سورہ نساء سمیت تمام سور قرآنی کے نہ صرف عمود پر بلکہ ان کے باہمی نظم واتصال کے پہلوؤں پر بھی بنیادی معلومات موجود ہیں۔

یہ ایسی حقیقتیں ہیں جو اگر کسی کے سامنے ہوں تو وہ مولانا فراہی سے مولانا اصلاحی کے اخذ واستفادہ کے بارے میں مکی اور مدنی یا چھوٹی اور بڑی سورتوں کی تفریق کو اہمیت نہیں دے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ نظم کے مسئلے میں اصلاحی کی تفسیر میں تصنیفات فراہی سے شروع سے آخر تک پوری طرح استفادہ کیا گیا ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے سب سے پہلے سورہ نساء کی تفسیر سے ہی کچھ مثالیں پیش کرنا مناسب ہوگا جسے میر صاحبؒ نے بطور مثال پیش کیا ہے۔

افادات فراہی سے استفادہ کی کچھ مثالیں

(الف) تفسیر سورہ نساء سے کچھ مثالیں:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا مستنصر میر صاحب نے نظم سورہ کے ذیل میں مولانا اصلاحی کی تفسیر سورہ نساء کو بطور خاص تحقیق اور تجزیہ کا موضوع بنایا ہے اور اس انتخاب کی یہ

وجہ بھی بتائی ہے کہ اس سورہ پر مولانا اصلاحی کی تفسیر دیگر مدنی سورتوں کی تفسیر کی طرح ان کی اپنی ہے اور اس میں مولانا فراہی کا حصہ نہیں کے برابر ہے، یہاں تک کہ اسی سورہ کی تفسیر سے انھوں نے اپنے اس دعوی کے لیے ثبوت فراہم کیا ہے کہ عمود سورہ اور نظم سورہ کی تحقیق میں مولانا اصلاحی نے ایک نئی تکنیک دریافت کی ہے۔ یہ نئی تکنیک کیا ہے؟ اس کی وضاحت تو انھوں نے نہیں کی لیکن مولانا فراہی کے علمی سرمایہ کا استقصاء اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ خود اس طویل سورہ کی تفسیر میں بھی مولانا اصلاحی نے چھوٹی سورتوں کی ہی طرح نظم کلام کے تقریباً تمام اہم مواقع پر افادات فراہی سے پوری طرح فائدہ اٹھایا ہے جس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱- اپنی کتاب ''دلائل النظام'' میں مولانا فراہی نے اس سورہ اور اس کی سابق سورہ کا باہمی ربط بیان کرتے ہوئے اسے سابق سورہ (آل عمران) کا ضمیمہ وتکملہ قرار دیا ہے۔[۴۶] (کالرداً لسورة الاسلام بانها تبين ان الشريعة رحمة على الناس كافة و كذالك صاحبها)، مولانا اصلاحی بھی اسے پچھلی سورہ کا تکملہ وتتمہ کہتے ہیں۔ اسے سورۃ الاسلام کی ضمنی سورہ، کہہ کر مولانا فراہی نے گویا اس عمود کے طرف بھی اشارہ کردیا ہے کیوں کہ اس سورہ میں شریعت اسلامیہ کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے پھر حواشی (قرآنی نوٹ) میں بھی انھوں نے اس میں مذکور معاشرتی احکام یا نظام معاشرہ کی تشریح کرتے ہوئے ''نظام المعاشرہ و اصلاحها ''[۴۷] کے الفاظ کے ذریعہ اس کے مرکزی موضوع کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ فراہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اصلاحیؒ بھی اسے پچھلی سورہ کا تکملہ وتتمہ کہتے ہیں وہ لکھتے ہیں'' یہ سورہ اپنی سابق سورہ آل عمران کے بعد اس طرح شروع ہوگئی ہے کہ اس کے ابتدائی الفاظ سے ہی نمایاں ہوجاتا ہے کہ یہ آل عمران کا تکملہ وتتمہ ہے''۔[۴۸] اہل علم جانتے ہیں کہ مولانا فراہی کے عربی لفظ'' ردا'' اور مولانا اصلاحی کے الفاظ تکملہ وتتمہ ایک ہی معنی ومفہوم کے حامل ہیں۔ واضح رہے دو متصل سورتوں کا باہمی ربط بیان کرنے کے لیے مولانا فراہی نے ان الفاظ کا بکثرت استعمال کیا ہے۔

۲- اس سورہ کا مرکزی موضوع بیان کرنے میں بھی شاگرد نے استاذ کی ہی پیروی

کی ہے جس کی تفصیل گزشتہ سطروں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مولانا فراہی کے نزدیک معاشرہ کی تنظیم اور اصلاح اس کا مرکزی موضوع ہے اور اس کے علاوہ اسے پچھلی سورہ کا ضمیمہ کہہ کر بھی انھوں نے اس کے عمود کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مولانا اصلاحی نے اس کی سابق سورہ کا عمود اور اس کے اجزاء کا باہمی نظام بیان کرنے کے بعد یہ جملہ حاشیہ میں لکھا ہے'' یہ تمہیدی بحث بیشتر استاذ کے افادات سے ماخوذ ہے''۔[۴۹] اس سے یہ بات سمجھنا مشکل نہیں کہ جب اس سورہ کو وہ اپنے استاذ کی طرح سابق سورہ کا تکملہ وضمیمہ کہتے ہیں اور ساتھ ہی سابق سورہ کے عمود اور اس کے بنیادی نظام کے بارے میں ان کی تشریحات ان کے استاذ کے افادات پر مبنی ہیں تو پھر یہ بات فطری اور منطقی طور سے ثابت ہوجاتی ہے کہ اس سورہ کے عمود اور اس کے اجزاء کا نظم وربط بیان کرنے کے لیے انھوں نے اپنے استاذ کے ہی رہنما کلمات کو بنیاد بنایا ہے۔ مولانا اصلاحی سورہ کے موضوع کے تعلق سے لکھتے ہیں۔'' ثابت قدمی بالخصوص اجتماعی ثابت قدمی مضبوط جماعتی اتصال کے بغیر ممکن نہیں ہے......اور جماعتی اتصال کوئی اتفاق سے پیدا ہونے والی چیز نہیں ہے چناں چہ اس سورہ میں وہ ساری چیزیں بیان ہوئی ہیں جو اسلامی معاشرہ اور اس کے فطری نتیجہ ''اسلامی حکومت'' کو مستحکم رکھنے اور اس کو انتشار سے بچانے کے لیے ضروری ہیں''۔[۵۰] مولانا فراہی کے الفاظ'' نظام المعاشرہ و اصلاحها '' اور اس عبارت پر ایک سرسری نظر ڈال کر بھی آسانی سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان دونوں میں کس قدر مماثلت ویکسانیت ہے۔

۳- مولانا فراہی کے نزدیک اس کا پہلا مجموعہ آیات ۱ تا ۴۳ ہے جب کہ آیات ۳۶ تا ۴۳ کو وہ خاتمہ باب کی آیات مانتے ہیں'' ۳۶-۴۳۔ هذه الآيات كالخاتمة لما مر من امر المال والمعاملة في مابين اهل البيت وفي الخاتمة امور كلية عليها مدار تلك الاحكام'' اس سے پہلے سورہ نساء کے سلسلے میں مولانا اصلاحیؒ کی تفسیر کا جو خلاصہ نقل کیا گیا ہے ان سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ انھوں نے بھی بنیادی طور سے سورہ کی تبویب وتقسیم میں مولانا فراہی کے کلمات کو ہی رہنما بنایا ہے۔ سورہ نساء کی

آیات ۱-۴۳ اس سورہ کا پہلا بنیادی حصہ ہے۔ مولانا فراہی کے نزدیک جیسا کہ ان کے حواشی سے واضح ہے، یہ حصہ مسلمانوں کے معاشرتی نظام کی بنیادوں اور اصلاح معاشرہ سے متعلق احکام و ہدایات پر مبنی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اپنے استاذ کے ذریعہ پیش کی گئی اس تقسیم مضامین کو پوری طرح قبول کرتے ہوئے سورہ کے اگلے حصہ کی تقسیم اور اسکی تفسیر کی بنیاد اسی فکر پر رکھی ہے۔ وہ آیات ۴۴-۵۷ کے مجموعی نظم سے متعلق تمہیدی مضمون جسے وہ ''آگے کا مضمون'' کہتے ہیں، کے تحت لکھتے ہیں ''آیت ۴۳ پر جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں اصلاح معاشرہ سے متعلق احکام کا باب ختم ہوگیا، آگے اس ردعمل کا بیان آرہا ہے جو اصلاحات کے مخالفین کی طرف سے ظاہر ہوا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو ایک عظیم مملکت کی بشارت سنائی جارہی ہے جو معاشرہ کے بلوغ وکمال کا نتیجہ ہے''۔[۵۱]

مضامین سورہ کی تقسیم کسی سورہ کے مجموعی نظام کے سمجھنے میں کلیدی رول ادا کرتی ہے اور مولانا فراہی کے حواشی میں اس قسم کے اشارات نظم سورہ کے سمجھنے میں کس قدر معاون ہوتے ہیں یہ اسی کی ایک مثال ہے۔

۴- سورہ کے پہلے حصہ کی آیات ۲۵-۲۸ کو مولانا فراہیؒ سورہ کی تذکیری آیات مانتے ہیں جن میں شریعت اسلامیہ کو مسلمانوں کے لیے ایک نعمت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور انھیں سورہ میں بیان کیے گئے احکام وشرائع کی قدر وقیمت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، اس سلسلے میں وہ حواشی قرآن میں لکھتے ہیں ''ھذہ الآیات علی عادۃ القرآن من ان الاحکام لیست من الاصر والاغلال ''[۵۲] (یہ آیات قرآن کی ایک ایسی وضاحت ہے جسے وہ احکام کے سلسلے میں عام طور سے بیان کرتا ہے کہ یہ احکام رحمت ہیں نہ کہ زحمت اور بوجھ) مولانا اصلاحی نے بھی ان کا نظم اسی حیثیت سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے ''معاشرتی اصلاح سے متعلق احکام وہدایات کے بیچ میں یہ آیتیں بطور تنبیہ وتذکیر آگئی ہیں''۔[۵۳]

۵- مولانا اصلاحیؒ نے سورہ کے دوسرے حصہ کا آغاز ۴۴-۵۷ کے مجموعہ آیات سے کیا ہے اور اس کا مضمون یہ بتایا ہے کہ اس میں اہل کتاب کو دھمکی اور ان سے منصب

امامت چھین کر رسول خاتم ﷺ کی امت کو دینے کا اعلان ہے کیوں کہ انھوں نے اپنی ذمہ داری کے ساتھ خیانت کی اور ایمان فروشی کا مظاہرہ کیا۔[۵۴] نظم کی رعایت سے آیات کی ٹھیک یہی تقسیم تقریباً اسی مضمون کی وضاحت کے ساتھ آپ امام فراہیؒ کے حواشی میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ان آیات پر ان کا حاشیہ کچھ یوں ہے۔ ''۴۴-۵۷ اھل الکتاب اوتوا امانۃ اللہ فاشتروا الضلالۃ فلعنھم اللہ وسلبھم ھذہ النعمۃ واعطاکم فھم یحسدونکم ''[۵۵]

۶- مولانا اصلاحیؒ نے اس سورہ کی آیات ۳۶-۴۳ کو مستقل جز کی حیثیت سے الگ سے نقل کر کے ان کی تفسیر کی ہے اور تفسیر سے قبل اس کے تمہیدی مضمون (آگے کا مضمون) میں اس مجموعہ کو سورہ کے پہلے باب (یعنی آیات ایک تا ۴۳ پر مشتمل مجموعہ) کا خاتمہ قرار دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

''اب آگے یہ خاتمہ باب کی آیات ہیں، معاشرتی احکام وہدایات کا سلسلہ جو شروع سے چلا آرہا تھا وہ ان آیات پر ختم ہو رہا ہے، جس طرح اللہ سے ڈرتے رہنے کی ہدایت سے اس باب کا آغاز فرمایا تھا اسی طرح اللہ کی عبادت کرتے رہنے کی ہدایت پر اس کو ختم کیا، اللہ کا حق اس کی عبادت ہے اور اس کو باطل کرنے والی چیز شرک ہے اس وجہ سے اس حق کی یاددہانی کے ساتھ شرک کی نفی کردی گئی۔ بندوں کا سب سے بڑا حق ان کے ساتھ احسان اور ان کے لیے انفاق ہے، بخل، کبر وریا اس کے ہادم ہیں، اس وجہ سے احسان وانفاق کی تائید کے ساتھ ان چیزوں کی نفی کردی''۔[۵۶]

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولانا نے بھی اپنے قرآنی حواشی میں آیات ۳۶-۴۳ کو اس سورہ کے پہلے حصہ کے باب کا اختتامی جز قرار دیا ہے اور ۳۶-۴۳ کے نمبر کے ساتھ اس مجموعہ کے مجموعی مضمون پر جو نوٹ لکھا ہے اس میں کم وبیش وہی بات کہی ہے جس کی اردو ترجمانی مولانا اصلاحی نے کی ہے، اس کا اندازہ ان کے درج

ذیل الفاظ اور صاحب تدبر کی مذکورہ بالا عبارت کا موازنہ کر کے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"هذه الآيات كالخاتمة بما مرّ من امر المال والمعاملة في مابين اهل البيت وفي الخاتمة امور كلية عليها مدار تلك الاحكام . عبادة الله غير مشرك به ثم الاحسان غير مراء وملاك العبادة الصلوة والطهارة باطنة وظاهرة، فهل ترى كيف ذكر مع العبادة الشرك ومع الاحسان الرياء ومع الصلوة الخيانة". ۵۶الف

۷- مولانا اصلاحیؒ نے دوسرے حصہ کے دوسرے مجموعہ آیات کو آیات ۵۸-۷۰ میں تقسیم کیا ہے اور الگ سے ان کے مضمون کا نظم بیان کیا ہے جو بنیادی طور سے نبی ﷺ کی اطاعت اور بعض دوسری ہدایات پر مشتمل ہے۔ مولانا فراہیؒ کے حواشی میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں "۵۷-۷۰ في اطاعة النبي". ۵۷

۸- مولانا فراہی کے نزدیک ۷۱-۱۰۴ کے مجموعہ میں بنیادی طور سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب، ضعفاء کی حمایت کرنے نیز دوستوں اور دشمنوں میں فرق کرنے کی ہدایت ہے " جث على القتال لحماية الضعفاء واعلاء كلمة الله فذكر فيها ممايتعلق بالقتال...... ۵۸؛ فطری طور سے مسلمانوں کے ان دشمنوں میں منافقین بھی شامل ہیں۔ اس کے آخر میں صلوۃ الخوف کا بیان ہے جس کا تعلق امور جہاد ہی سے ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے بھی مضمون کے لحاظ سے اسی تقسیم کے مطابق اس مجموعہ کی آیات کا نظم مولانا فراہیؒ کے طرز پر ہی بیان کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

وہی اوپر والا مضمون آگے چل رہا ہے، خطاب اگرچہ عام مسلمانوں سے ہے لیکن تبصرہ انہی منافقین کے اوپر ہے جن کی بابت اوپر فرمایا ہے کہ یہ اسلام کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن اس راہ میں کوئی چوٹ کھانے اور ہجرت و جہاد کی آزمائشوں سے گزرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پہلے مسلمانوں کو جہاد کے لیے لیس ہونے اور جنگ کے لیے اٹھنے کا حکم

دیا...... اس کے بعد جہاد پر ابھارنے کے لیے اس کے اجر عظیم (یعنی ضعفا ومظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے اٹھنے کا اجر) کا بھی ذکر فرمایا۔ ۵۸الف

ان دونوں کے بیان میں صرف دو جزوی فرق ہیں (الف) اس مجموعہ کی تفسیر مولانا اصلاحیؒ نے چار حصوں میں تقسیم کرکے بیان کی ہے (یہ تفسیر اور حواشی کا فطری فرق ہے)۔ (ب) مولانا اصلاحیؒ کے مضمون میں جہاد کے بجائے منافقین پر تبصرہ کے موضوع کو زیادہ ابھارا گیا ہے حالاں کہ آیات کا اصل مقصد مسلمانوں کو جہاد و ہجرت پر ابھارنا ہے اور ہر قسم کے دشمنوں اور منافقین سے انھیں خبردار کرنا بھی جہاد کا ہی ایک پہلو ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو قربانی کی ترغیب دینا، منافقین سے ہوشیار کرنا اور ان سے کسی قسم کی نرمی نہ برتنے نیز دوران جہاد نماز کا پوری طرح اہتمام کرنے کی ہدایت اس جز میں نمایاں ہے۔ یہ تمام امور بنیادی طور سے جہاد ہی سے متعلق ہیں، اس لیے اگر مذکورہ آیات کا موضوع جہاد قرار دیا جائے تو یہ نظم کلام کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہوگا۔ تاہم اس ظاہری فرق کے باوجود مولانا اصلاحیؒ کے مضمون کو بنیادی طور سے مولانا فراہیؒ کے چند جامع کلمات کی شرح کہنا بے جا نہ ہوگا۔

۹- مولانا اصلاحیؒ نے سورہ کے دوسرے حصہ کو پہلے حصہ کی آخری آیت سے آیت ۱۲۶ تک (یعنی ۴۴-۱۲۶) پر مشتمل قرار دیا ہے یعنی نظم کے لحاظ سے آیت کے مجموعوں کی ترتیب وتقسیم کے سلسلہ میں وہ اصولی طور سے اس موقف کے قائل ہیں کہ سورہ کے مضامین کا دوسرا حصہ جو اسلامی معاشرہ کی تنظیم واصلاح پر مشتمل ہے، کا آیت ۱۲۶ پر خاتمہ ہو جاتا ہے چناں چہ وہ اس کے بعد کی آیات (۱۲۷-۱۳۴) پر تمہیدی مضمون (آگے کا مضمون) کے تحت لکھتے ہیں "اسلامی معاشرہ کی تاسیس وتنظیم اور تطہیر سے متعلق جو باتیں اصولی تھیں وہ اوپر کی آیات پر تمام ہوئیں۔ اب آگے کا حصہ سورہ کے آخر تک خاتمہ سورہ کی حیثیت رکھتا ہے"۔ ۵۹ مولانا فراہی کے حواشی میں بھی اس سلسلے میں واضح رہنمائی موجود ہے۔ اس مجموعہ آیات پر ان کا نوٹ کچھ اس طرح ہے "۱۰۵-۱۲۶ كالخاتمة لما مر (۴۴-۵۷) فعاد كما بدء" ۶۰ آیات ۱۰۵-۱۲۶ میں گزشتہ مباحث کا خلاصہ وخاتمہ

ہے، اور یہ بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں واپس ہوگئی)۔ اس بات سے شاید ہی کوئی انکار کرے کہ ان الفاظ سے سورہ کے دوسرے باب کے اختتام اور اگلے باب کے آغاز کے سلسلے میں واضح رہنمائی مل جاتی ہے۔ اور اسی کا نام نظام سورہ ہے۔

۱۰- مولانا اصلاحیؒ نے تیسرے حصہ کے پہلے مجموعہ کو ۱۲۷-۱۳۴ کی شکل میں پیش کیا ہے مولانا فراہیؒ کے یہاں یہ مجموعہ، آیات ۱۲۷-۱۳۰ پر مشتمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''۱۲۷-۱۲۹ بیان لمامر فی اول السورة من الصلح والقسط''۔[۶۱] یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ آیات ۱۳۳-۱۳۴ تذکیری نوعیت کی ہیں اس لیے مولانا فراہیؒ کی تقسیم زیادہ منطقی محسوس ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس کے بعد کا مجموعہ مولانا فراہی کے یہاں آیات ۱۳۷-۱۵۲ پر مشتمل ہے جب کہ مولانا اصلاحی کے یہاں یہ ۱۳۵-۱۵۲ پر مبنی ہے۔ اس جزوی فرق کے باوجود مولانا اصلاحیؒ نے اس تقسیم میں اصولی طور سے اپنے استاذ کی ہی پیروی کی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا فراہیؒ نے آیات ۱۲۷-۱۲۹ پر الگ سے نوٹ لکھتے ہوئے فرمایا ہے ''۱۲۷-۱۳۰ بیان لمامر فی اول السورة من الصلح والقسط والتقوی فی امور الیتامی والنساء ''[۶۲] ان الفاظ سے نہ صرف سابق و لاحق مجموعہ آیات کے باہمی تعلق اور ان کے بنیادی مضامین کے ربط و نظم کی طرف واضح اشارات مل جاتے ہیں، بلکہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان سے سورہ کے تیسرے اور آخری باب کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے اس کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے۔ اس طرح سورہ کے مجموعی مضامین کی تقسیم و ترتیب کے لیے یہ اشارات کافی ہیں اور مولانا اصلاحیؒ نے نظم کے لحاظ سے اجزائے سورہ کی تقسیم میں انہی اشارات پر بھروسہ کیا ہے۔ چناں چہ انھوں نے بھی ان آیات کے تمہیدی مضمون میں اگلی اور پچھلی آیات کا تعلق بیان کرتے ہوئے انہی باتوں کو دہراتے ہوئے لکھا ہے ''زیر بحث مجموعہ آیات کو سمجھنے کے لیے آیات ۲-۴ پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے''۔ اس سے قبل اس پہلو کی طرف وہ ہمیں اس طرح متوجہ کرتے ہیں:

''اب آگے کا حصہ سورہ کے آخر تک خاتمہ سورہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں پہلے بعض سوالات کے جواب دیے گئے ہیں جو اس سورہ کی آیات ۲-۴ میں بیان کردہ

احکام سے متعلق بعد میں پیدا ہوئے''۔[۶۳] یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ۲-۴ آیات میں یتیموں، ان کی ماؤں اور عورتوں سے متعلق حقوق اور صلح و تقوی کی وہی ہدایات ہیں جن کا خلاصہ حاشیہ میں مولانا فراہیؒ نے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اصلاحیؒ نے سورہ نساء کے بنیادی مضامین کے نظم کا خلاصہ ''سورہ کے مطالب کا تجزیہ'' کے تحت جس طرح بیان کیا ہے اس کا انداز بالکل مولانا فراہیؒ کے حاشیہ سے ملتا جلتا ہے۔ مولانا کے حواشی سے نقل کیے گئے الفاظ کو ایک بار پھر غور سے دیکھیے اور پھر مولانا اصلاحیؒ کے درج ذیل الفاظ ملاحظہ فرمایئے تو آپ کو خود ان کے درمیان یکسانیت و مماثلت کا اندازہ ہو جائے گا۔ وہ لکھتے ہیں ''(۱۲۷-۱۳۰) ابتداء سورہ میں جو احکام یتیموں، ان کی ماؤں اور عورتوں سے متعلق بیان ہوئے ہیں ان کے متعلق بعد میں پیدا ہونے والے بعض سوالوں کا جواب ہے''۔[۶۴]

۱۱- مولانا اصلاحیؒ نے سورہ کی بعض آیات کی تاویل میں بھی مولانا فراہی کی منفرد رائے کو اختیار کیا ہے جس کی ایک واضح مثال سورہ کی آیت نمبر ۳ ہے۔ آیت یہ ہے:

''وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث وربـاع......'' مولانا فراہیؒ نے اس ''آیت میں نساء کا مطلب یتیم بچوں کی مائیں لیا ہے اور یتامیٰ سے یتیم بچے اور بچیاں مراد لیا ہے جب کہ عام مفسرین نے یتامیٰ سے یتیم لڑکیاں اور نساء سے عام عورتیں مراد لیا ہے۔ اس طرح ان دونوں تاویلات میں ایک واضح فرق ہے۔ امام فراہیؒ نے اس آیت پر یہ نوٹ لکھا ہے ''من النسـاء ای امهات الیتامی فان الیتامی من لم یبلغوا النکاح من الذکر والانثی ولیس المراد به الاناث فقط''[۶۵]۔ ان کی یہ تاویل نظم سورہ سے زیادہ قریب ہے اور اس سے آیت کی تفسیر زیادہ واضح شکل میں سامنے آتی ہے۔ مولانا فراہیؒ کے مطابق اس آیت کا مطلب مسلمانوں کو یہ ہدایت کرنی ہے کہ تم اگر یتیموں کے حقوق ادا نہیں کر سکتے اور اس سلسلے میں تمہیں اپنی طرف سے ان کے ساتھ زیادتی و ناانصافی کا اندیشہ ہو تو پھر زیادہ بہتر ہے کہ تم ان کی ماؤں کو اپنے نکاح میں لے لو، اس سے تم جادہ عدل پر قائم رہ سکو گے

اور ساتھ ہی یتیموں کے تعلق سے تم اپنے فرائض بھی زیادہ بہتر طریقے سے ادا کر سکو گے۔
اس کے بالمقابل عام مفسرین کی تاویل کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہیں یتیم لڑکیوں سے نکاح میں دلچسپی ہے تو پھر تمہیں ان کے حقوق کی ادائیگی میں عدل وقسط پر قائم رہنا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ تم ان کے ساتھ نکاح کو ایک معمولی بات سمجھو اور اس طرح اپنے اغراض کی تکمیل تو کر لو لیکن ان کے تعلق سے اپنے واجبات بھول جاؤ اور اگر اس بات کا ذرا بھی اندیشہ ہو کہ تم ان یتیم لڑکیوں سے شادی کر کے حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکو گے اور کسی مرحلے میں جادہ انصاف سے پھسل جانے کا ڈر ہو تو پھر تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے کہ تم ان کے بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔ ۶۶
اس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ مولانا فراہیؒ کی رائے اس رائے سے یا اس سے ملتی جلتی دوسری رایوں سے پوری طرح مختلف ہے۔ وہ اسی سورہ کی آیت ۱۲۷ (یستفتونک فی النساء......) کو دیگر مفسرین کی طرح ہی اس آیت کی وضاحت مانتے ہیں جس میں ابتدائی آیت میں بیان کیے گئے حکم کی مزید توضیح ہے لیکن وہ اور دیگر مفسرین اس کا مفہوم گزشتہ آیت کی اپنی اپنی تاویل کے مطابق الگ الگ متعین کرتے ہیں۔ مولانا فراہیؒ کا کہنا ہے کہ آیت ۱۲۷ سے یہ بات مزید واضح ہوجاتی ہے کہ گزشتہ آیت اصلاً یتیم بچوں کی ماؤں کے ساتھ نکاح کے شرائط اور ان کے ساتھ عدل ومساوات کا برتاؤ کیے جانے کی تعلیم سے متعلق ہے۔ ان کے مطابق آیت ۱۲۷ کے کلمہ ''یتمی النساء'' سے بڑی حد تک اس پہلو کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ وہ اپنی یہی رائے آیت ۱۲۷ پر نوٹ لکھتے ہوئے اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔
''مفسرین کے درمیان ان آیات اور ابتدائے سورہ کی آیت ۳ کی تاویل میں بڑا اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اس سے مراد، اللہ اعلم، یہ ہے کہ سورہ کی آیت ۳ میں عدم مساوات وناانصافی کے اندیشے کی حالت میں ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی ممانعت ہے، پس اس آیت میں یہ وضاحت ہوگئی ہے کہ وہ آیت دراصل ان یتیم بچوں کے بارے میں ہے جن کی ماؤں سے لوگ شادی تو کرنا چاہتے ہیں لیکن ان سے متعلق حقوق و

واجبات کی ادائیگی کے لیے خود کو تیار نہیں پاتے''۔ ۶۷
مولانا کی اس تاویل سے ان دونوں ہی آیات کا نظم واضح ہوجاتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ تاویل کے لحاظ سے مشکل آیات کی توضیح وتفسیر، نظم کلام کی مدد سے وہ جس خوبی سے کرتے ہیں وہ اپنے آپ میں قرآن کے طالب علموں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے اس آیت کا مفہوم اپنے استاذ کی طرح اس سورہ کی آیت ۱۲۷ سے مربوط کرتے ہوئے متعین کیا ہے۔ ۶۸ وہ بھی نساء سے یتیم بچوں کی مائیں مراد لیتے ہوئے اس آیت کی تاویل اس طرح کرتے ہیں۔

> ''آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم (مخاطب یتیموں کے اولیاء اور سرپرست ہی ہیں) بربنائے احتیاط یہ اندیشہ رکھتے ہو کہ تمہارے لیے یتیموں کے مال اور ان کے واجبی حقوق کی نگہداشت ایک مشکل کام ہے اور تم تنہا اپنی ذمہ داری سے بحسن خوبی عہدہ برا نہیں ہوسکتے۔ اور اگر یتیموں کی ماں بھی اس ذمہ داری میں تمہارے ساتھ شریک ہوجائے تو تم اس فرض سے عمدہ طریقے سے عہدہ برا ہوسکتے ہو۔ اس لیے کہ یتیموں کے ساتھ جو قلبی لگاؤ اس کو ہوسکتا ہے کسی دوسرے کو نہیں ہوسکتا اور ان کے حقوق کی نگہداشت جس بیداری کے ساتھ وہ کرسکتی ہے کسی اور کے لیے ممکن نہیں، تو ان میں سے جو تمہارے لیے جائز ہوں ان سے تم نکاح کرلو بشرطیکہ عورتوں کی تعداد کسی صورت میں چار سے زیادہ نہ ہونے پائے''۔ ۶۹

اس آیت پر تفصیل سے بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، یہاں یہ تفصیل محض یہ واضح کرنے کے لیے کی گئی ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے مولانا فراہیؒ کی اس رائے کو ان کا نام لیے بغیر اپنی تفسیر میں پوری قوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ حالاں کہ مولانا فراہی ہماری معلومات کی حد تک اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ ان کی پوری تفسیر میں اس طرح کے بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں مولانا اصلاحیؒ نے اپنے استاذ کے ذخیرہ علمی کی مدد سے

آیات کا نظم بیان کیا ہے اور بیشتر مقامات پر ان کے نام کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ جس سے کبھی کبھی بعض اہل علم کو ان کے تمام علمی ذخائر سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ مولانا اصلاحیؒ وہاں نظم قرآن کی وضاحت میں استاذ سے اخذ و استفادہ پر منحصر ہونے کے بجائے اپنی اوریجنل رائے رکھتے ہیں۔

(ب) متصل سورتوں کا نظم:

مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں ہر سورہ کی تفسیر سے پہلے اس کی سابق ولاحق سورتوں کے ساتھ اس کا ربط و نظم بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے ہر دو متصل سورتوں کے باہمی نظم کی تشریح پر خصوصی توجہ دی ہے اور اپنے مقدمہ تفسیر میں اس کا ایک خاص تصور پیش کیا ہے کہ قرآن کی ہر سورہ ''زوج زوج'' ہے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں۔

''ہر سورہ زوج زوج ہے یعنی اپنا ایک جوڑا اور مثنیٰ رکھتی ہے اور ان دونوں میں اسی طرح کی مناسبت ہے جس طرح کی مناسبت زوجین میں ہوتی ہے یعنی ایک میں جو خلا ہوتا ہے دوسری اس خلا کو بھر دیتی ہے، ایک میں جو پہلو مخفی ہے دوسری اس کو اجاگر کرتی ہے، اس طرح دونوں مل کر چاند اور سورج کی شکل میں نمایاں ہوتی ہیں۔ بڑی سورتوں میں اس کو بقرہ اور آل عمران کی مثال سے اور چھوٹی سورتوں میں معوذتین کی مثال سے سمجھئے''۔ ۴۰؎

وہ اپنے اس خیال کی دلیل میں سورہ حجر کی یہ آیت پیش کرتے ہیں: **ولقد اعطیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم** (الحجر:۸۷) ۴۱؎ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''قرآن میں یہ نظام کائنات کے نظام کے مشابہ ہے (کیوں کہ) اس کائنات میں بھی ہر چیز جوڑا جوڑا ہے''۔ ۴۲؎ وہ اس بحث کے آخر میں قرآن کے مجموعی نظام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے اس نظریہ کی اہمیت پر مزید زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''جب میرے سامنے قرآن کے یہ ساتوں گروپ آتے ہیں اور ساتھ ساتھ سورتوں کے جوڑے

جوڑے ہونے پر نظر پڑتی ہے تو بے ساختہ میرا ذہن **ولقد اعطیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم** (ہم نے تمھیں سات بار بار پڑھی جانے والی سورہ اور قرآن حکیم سے نوازا) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ۴۳؎ چناں چہ سورہ حجر کی تفسیر کے دوران بھی انھوں نے مذکورہ آیت کی تاویل اپنے اسی نقطہ نظر کے مطابق کی ہے۔ ۴۴؎

یہاں یہ واضح رہے کہ عام طور سے مفسرین نے **سبعا من المثانی** سے سات آیات پر مشتمل سورہ فاتحہ یا ابتدائی سات سورتیں مراد لی ہیں۔ جب کہ مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک اس کا مفہوم سورتوں کے سات گروپ (**سبعاً**) اور ان کا جوڑے جوڑے ہونا (**من المثانی**) بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور اسی مفہوم کو انھوں نے اپنی تاویل کے مطابق اختیار کیا ہے۔ اس بنیاد پر ان کے یہاں تمام سور قرآنی مطالب کے لحاظ سے سات گروپوں میں تقسیم ہیں اور ہر سورہ اپنی متصل سورہ کے ساتھ مل کر دو سورتوں کا ایک جوڑا بناتی ہے۔

آیت کی اس تاویل پر جو سب سے بڑا اشکال وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اگر **سبعا من المثانی** کا مطلب سورتوں کے سات گروپ اور ان کا جوڑا جوڑا ہونا ہے تو پھر اس میں پورا قرآن آ گیا، اس کے بعد **والقرآن الحکیم** کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ مولانا اصلاحیؒ نے اس کے حق میں جو دلائل دیے ہیں بظاہر وہ بھی کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہیں۔ لیکن فی الحال اس مسئلہ کی تفصیلات میں پڑنے کے بجائے صرف یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا سورتوں کے زوج زوج ہونے کا تصور، اگر اس کا مقصد دو قریبی سورتوں کا باہمی ربط و نظم ہی ہے، اپنے آپ میں بالکل نیا ہے؟ یا یہ کہ دو متصل سورتوں کے باہمی نظم کا تصور پہلے سے ہی ان کے استاذ یا بعض دیگر مصنفین کے یہاں موجود ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے اگر اس میں سے صرف لفظ ''زوج زوج'' کو نکال دیا جائے تو یہ کوئی بالکل نیا فکر نہیں ہے بلکہ اس کا کریڈٹ اصلاً مولانا فراہی کو جاتا ہے کہ انھوں نے دو متصل سورتوں کے نظم کے سلسلے میں کچھ اہم اصول متعین کر کے نظم کی اس قسم کو زیادہ واضح اور مستدل کیا۔ مولانا فراہیؒ نے کم و بیش تمام متصل سورتوں کے تعلق سے اپنے افادات میں بڑی قیمتی رہنمائی فراہم کی ہے۔ انھوں نے قرآن کی بیشتر قریبی اور متصل سورتوں کو نظم کے لحاظ سے باہم ایک دوسرے سے

وابستہ قرار دیا ہے، اور یہ خیال پیش کیا ہے کہ ہر سورہ اپنی متصل سورہ سے یہ ضروری نہیں کہ براہ راست جڑی ہو بلکہ اس کے بعد کی سورہ یا سورتیں کبھی کبھی بطور ضمیمہ اور جملہ معترضہ بھی وارد ہوتی ہیں۔ اس طرح کی صورت حال میں یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ ربط کی نوعیت ضمنی اور ذیلی ہے یا ان دونوں میں مرکزی موضوع کے لحاظ سے کامل ہم آہنگی ہے۔ انھوں نے دو سورتوں کے تعلق کی نوعیت واضح کرنے کے لیے کبھی مثنی کبھی توأم کبھی ردا کبھی ضمیمہ اور کبھی تکملہ وتتمہ جیسی اصطلاحیں استعمال کی ہیں اور لگ بھگ ہر دو سورتوں کا نظم بیان کرتے ہوئے مولانا اصلاحی نے افادات فراہی سے اخذ و اکتساب کیا ہے اور عام طور سے ایسے مواقع پر ان کی مذکورہ اصطلاحات کو ہی اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

نظم کی اس قسم کے سلسلے میں شاگرد نے استاذ سے کس حد تک استفادہ کیا ہے اسے کچھ مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ وسورہ آل عمران کے درمیان تعلق کی جو نوعیت مولانا اصلاحیؒ نے پیش کی ہے وہ وہی ہے جو مولانا فراہی کی کتابوں میں موجود ہے۔ مولانا فراہیؒ نے پہلی کو ''سورۃ الایمان'' اور دوسری کو ''سورۃ الاسلام'' پہلی کو علم کی سورہ اور دوسری کو عمل کی، اور پہلی کو سورہ بدر جبکہ دوسری کو سورہ احد قرار دیا ہے۔[۷۵] ان دونوں کے ربط پر ''حقيقة السورة ونسبته بالفاتحة وسورة آل عمران'' کے عنوان کے تحت اپنی تفسیر سورہ بقرہ میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[۷۶] بقرہ کے آل عمران سے ربط وتعلق کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''وأما موقعها قبل سورة آل عمران فلكونها مشابهتين غير أنه فصل في الاولىٰ جانب العلم وفي الثانية جانب العمل مع الاتحاد في المطالب، كما سيتضح بعد النظر في تفسير تلك السورة. ولذالك جمعهما النبي ﷺ في الوصف بأنها الزهراوان، وأنهما تاتيان يوم القيامة كأنهما غمامتان...... فكما أن هذه السورة اولى السور بالفاتحة، فكذالك سورة آل عمران اولهما بهذه السورة''[۷۷]

وہ ان دونوں کے تعلق پر حواشی قرآن میں مزید لکھتے ہیں ''ایک میں عمل کے نکتہ پر اور دوسرے میں علم کے نکتہ پر زور ہے اور اس طور سے ان دونوں میں ایمان اور اسلام

جیسی نسبت ہے''۔[۷۸] اسی طرح ان دونوں میں تعلق کی نوعیت اجمال وتفصیل اور تقدیم و تاخیر کی ہے اور دونوں ہی مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں اور اگر ایک میں کوئی کمی ہے تو دوسری اسے پورا کردیتی ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے تقریباً انہی پہلوؤں کو اسی قسم کے الفاظ کے ساتھ تفسیر سورہ آل عمران کے آغاز میں دہرایا ہے۔[۷۹] وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ''اس پہلو سے غور کیجیے تو آپ محسوس کریں گے کہ جس طرح سورہ بقرہ سورہ بدر ہے اسی طرح سورہ آل عمران سورہ احد ہے، مزید غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ بقرہ میں ایمان کی حقیقت واضح کی گئی ہے اور اس سورہ میں اسلام کی۔[۸۰] اسی طرح سورہ انعام واعراف[۸۰الف] سورہ یونس وہود۔[۸۱] سورہ یوسف ورعد۔[۸۲] سورہ آل عمران ونساء، سورہ بنی اسرائیل وکہف[۸۳] سورہ کہف ومریم[۸۴] سورہ مجادلہ وحشر[۸۵] اور سورہ جمعہ ومنافقون[۸۶] وغیرہ کے درمیان ربط ونظم کا معاملہ ہے۔ ان ہر دو سورتوں کے تعلق کی جو نوعیت مولانا اصلاحی نے بیان کی ہے تقریباً وہی افادات فراہی میں نظر آتی ہے اس سلسلے میں بعض سورتوں کے تعلق پر ان دونوں کی بعض عبارتوں پر نظر ڈالنے سے یہ پہلو مزید واضح ہوجاتا ہے۔

امام فراہی سورہ انعام واعراف کو موضوع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مشابہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''وہ (انعام) دعوت دینے والی سورہ ہے اور یہ (اعراف) انذار و ترہیب کی سورہ ہے (ولكن تلك داعية وهذه منذرة[۸۷]) اسی بات کو مولانا اصلاحی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ''انعام میں جیسا کہ تفصیل سے واضح ہوا، قریش کو اسلام کی دعوت دی گئی...... انعام کے بعد اعراف انعام کی مثنی سورہ ہے اس میں دعوت کے بجائے انذار کا پہلو غالب ہے''[۸۸] اب دوسری مثال لیجیے: مولانا فراہیؒ سورہ ہود کا تعلق یونس کے ساتھ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ (یونس) اور سورہ ہود توأم ہیں، اس میں اقوام ماضی کا جزوی ذکر ہے جب کہ ہود میں تفصیل سے''[۸۹] (هذه السورة وسورة هود توأمتان وفي هذه السورة بعض ذكر القرىٰ وفي هود اكثر ذكرها) . اب مولانا اصلاحیؒ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ وہ سورہ ہود کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یہ سورہ

ہمارے اصول سے سورہ یونس ہی کی مثنی ہے، اس وجہ سے نفس عمود میں دونوں کے درمیان کچھ ایسا فرق نہیں ہے...... سورہ یونس میں جو باتیں بالاجمال بیان ہوئی ہیں مثلاً پچھلی قوموں کی سرگزشتیں، وہ اس سورہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں''۔۹۰

امام فراہیؒ سورہ کہف کی سابق (بنی اسرائیل) ولاحق (مریم) سورتوں کے ساتھ اس کے ربط و تعلق پر لکھتے ہیں ''یہ انذار وتبشیر کی سورہ ہے...... اس سورہ میں صبر پر اور آئندہ سورہ میں نماز پر زیادہ زور ہے، سابق سورہ میں یہود کو دھمکی دی گئی ہے اور اس سورہ میں نصاریٰ کو ڈرایا گیا ہے''۔۹۱ مولانا اصلاحیؒ بھی اس سورہ کا موضوع قریش کو تنبیہ وانذار اور نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے بشارت اور صبر کی تلقین قرار دیتے ہوئے سابق و لاحق سورتوں سے اس کا تعلق اس طرح بیان کرتے ہیں:

''جس طرح سابق سورہ بنی اسرائیل میں یہود کے چہرے سے نقاب الٹ دی گئی ہے اسی طرح اس سورہ اور اس کے بعد کی سورہ مریم میں نصاریٰ کے چہرے سے نقاب الٹ دی گئی ہے''۔۹۱ الف

اسی طرح کی ایک اور مثال سے اس مسئلہ کو سمجھا جاسکتا ہے۔ سورہ نور کے بارے میں مولانا اصلاحی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

''یہ سورہ اس گروپ کی آخری سورہ ہے، یہ مدنی ہے، اس کی حیثیت سابق سورہ۔ مؤمنون- کی تکملہ وتتمہ کی ہے...... ہم مقدمہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ جو سورتیں اپنی سابق سورہ کی تکملہ وتتمہ کی حیثیت رکھتی ہیں وہ گویا سابق سورہ ہی کا جز ہوتی ہیں، اس وجہ سے ان کے ساتھ ان کے کسی جوڑے کی ضرورت نہیں ہوتی''۔۹۲

مولانا فراہی نے سابق سورہ کے ساتھ سورہ نور کے تعلق کی طرف اپنی کتاب دلائل النظام میں دوجگہ اشارہ کیا ہے، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں ''سورہ نور کا مقصد تمدنی و معاشرتی احکام کی پیروی واطاعت ہے اور یہ سابق سورہ کا تکملہ وتتمہ ہے''۔۹۳ (سورة النور للطاعة فی احکام المعاشرة والتمدن وتتمة للسورة السابقة) اس کے بارے میں وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''سورہ نور، سورہ مومنون کے ابتدائی حصہ میں جو کچھ

بیان ہوا ہے، اسی کی تفسیر و تفصیل ہے''۔۹۴ (سورة النور تفصیل وتفسیر لما مر فی اول سورة المومنون)۔ مولانا فراہی نے سورہ مومنون کے ابتدائی حصہ کے مضمون کی طرف اوپر جو اشارہ کیا ہے اسی سے استفادہ کرتے ہوئے مولانا اصلاحیؒ نے لکھا ہے کہ ''سورہ مومنون کی آیات ۱-۱۱ میں نماز وزکوٰۃ جیسے فرائض کی ادائیگی اور لغویات وفواحش سے احتراز کو مومنین کی صفت کے طور سے بیان کیا گیا ہے جن کے لیے اللہ کے یہاں فوز و فلاح مقدر ہے اور بقول ان کے انفرادی اصلاح وتطہیر کے بعد گویا اجتماعی ومعاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی ہے اور سورہ نور اسی سلسلے کی ایک سورہ ہے''۔۹۵

اس کی ایک آخری مثال ملاحظہ فرمائیے۔ امام فراہی سورہ شوری سے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سورہ میں کلام کی بنیاد خدا کی صفات عزیز ورحیم پر رکھی گئی ہے جن سے بعض امور ومعاملات کی ایک خاص وابستگی ہے (ولا یخفی أن بناؤها علی الاسمین عزیز ورحیم المستلزمین لامور)۹۶ اور بعد کی سورہ، سورہ نمل میں کلام کی بنیاد خدا کی صفات علم وحکمت (علیم وحکیم) پر ہے۔۹۷ یہی پہلو مولانا اصلاحیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں پیش کیا ہے۔ مولانا فراہی کی طرح ان کے یہاں بھی ان سورتوں کا موضوع کتاب و نبوت کا اثبات ہے اور یہ دونوں سابق سورہ 'فرقان' کی تابع ہیں۔۹۸

ان تفصیلات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا کہ متصل سورتوں کے نظم کے تعلق سے مولانا اصلاحیؒ نے مولانا فراہی سے الگ یا کوئی نیا تصور پیش کیا ہے جو افادات فراہی کے اثرات سے بالکل آزاد ہے، ایک ایسی بات ہے جس کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ہے۔ جہاں تک ہر دو سورہ کے جوڑے جوڑے ہونے کا تعلق ہے تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے سورتوں کے نظام میں کسی انقلابی دریافت سے تعبیر کیا جاسکے۔ مولانا فراہیؒ کے علاوہ زبیر ثقفیؒ ۹۹ اور بعض دوسرے شارحین نظم قرآن نے بھی متصل سورتوں کے نظم وربط پر قلم اٹھایا ہے۔ یہاں دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ سورتوں کو جوڑوں میں تقسیم کرنے کا یہ تصور یا میر صاحب کے لفظوں میں (Concept of the pairing of the Surahs) پیش کر کے مولانا اصلاحی نے اپنے لیے یہ مشکل پیدا کرلی کہ وہ اپنی اس اسکیم

میں تمام سورتوں کو فٹ نہیں کر سکے اور جن سورتوں کو وہ اسکیم کے مطابق تقسیم نہیں کر سکے ہیں انھیں وہ دوسری سورتوں کی ذیلی وضمنی سورہ قرار دیتے ہیں۔۱۰۰؎ اگر بات ایسی ہی ہے تو اس دعوے کو کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ ”ہر سورہ زوج زوج ہے“۔ کیوں کہ کسی سورہ کے تکملہ وتتمہ کی حیثیت میں آنے سے ایک سورہ کے طور سے اس کا اپنا تشخص ختم نہیں ہوجاتا کہ اسے ضمنی اور ذیلی سورہ کہہ کر دوسرے ”جوڑے“ کا حصہ بنالیا جائے۔

(ج) قرآن کا مجموعی نظام:

مولانا اصلاحیؒ نے اپنے استاذ کی طرح سورتوں کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے قرآن کے مجموعی نظام پر بحث کی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ فراہی نے سور قرآنی کو ظاہری طور سے نو گروپوں میں تقسیم کیا ہے جب کہ مولانا اصلاحیؒ کے یہاں وہ سات گروپوں تک محدود ہے۔ نظم کا یہ پہلو اصلا مولانا فراہی کی دریافت ہے اور یہی ان کے پورے کام کا سب سے بڑا امتیازی پہلو ہے۔ ان کی اس اہم دریافت کو اجاگر کرنے کے لیے راقم نے ایک مستقل بحث ”نظم سے نظام تک“ سپرد قلم کی ہے جس میں قرآن کے مجموعی نظام کے ان کے تصور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ لیکن اس موقع پر تفصیلات میں نہ جا کر توجہ اس بات پر مرکوز کیجائے گی جس سے یہ واضح ہو سکے کہ مولانا اصلاحی نے قرآن کے مجموعی نظام کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں ان کا کتنا حصہ ہے اور کتنا مولانا فراہی کا؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا اصلاحی نے مولانا فراہی کی مجموعی نظام قرآن کی فکر کو اپنی پوری تفسیر میں عملی طور سے برتنے کی بڑی کامیاب کوشش کی ہے اور مقدمہ میں بھی اس کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ اس لیے نظم قرآن سے متعلق ان کی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس مقالہ کے ابتدائی حصے میں مولانا اصلاحی کے تصور نظم کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کے مجموعی نظام پر ان کے الفاظ نقل کیے جاچکے ہیں، جس میں انھوں نے اس بات پر خصوصی زور دیا ہے کہ جس طرح ہر سورہ ایک معنوی وحدت اور مرکزی موضوع یا عمود کی حامل ہوتی ہے اسی طرح قرآن کا ایک مجموعی نظام بھی ہے اور

معنوی لحاظ سے تمام سور قرآنی کچھ گروپوں میں تقسیم ہیں اور ان میں سے ہر گروپ کا اپنا ایک مستقل موضوع ہے۔ انھوں نے اس کے علاوہ قرآن کے مجموعی نظام کو مجموعی طور سے دو پہلوؤں میں تقسیم کیا ہے (۱) مجموعی نظام کا ظاہری پہلو (۲) مجموعی نظام کا مخفی پہلو۔ ظاہری پہلو میں انھوں نے اس نکتے کو اجاگر کیا ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے مکی ومدنی سورتیں نزولی ترتیب کے علی الرغم اس انداز سے مرتب ہوئی ہیں کہ ”مکی و مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں جن میں ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں پر تمام ہوتا ہے“۱۰۱؎ ان کے سات گروپ یہ ہیں (۱) سورہ فاتحہ تا سورہ مائدۃ (۲) سورہ انعام تا سورہ توبہ (۳) سورہ یونس تا سورہ نور (۴) سورہ فرقان تا سورہ احزاب (۵) سورۂ سبا تا سورۂ حجرات (۶) سورہ ق تا سورہ تحریم (۷) سورہ ملک تا سورۂ ناس۔۱۰۲؎ مولانا فراہی کی طرح ان کا بھی یہ کہنا ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب ایک توقیفی ترتیب ہے اس لیے یہ ”ترتیب حکمت سے خالی نہیں ہوسکتی۔۱۰۳؎ دوسرے لفظوں میں وہ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی موجودہ ترتیب اس کے اجزاء کے داخلی نظام کا مظہر ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو تمام سور قرآنی معانی ومطالب کے لحاظ سے سات گروپوں میں تقسیم ہیں اور ان میں سے ہر گروپ کا اپنا ایک جامع موضوع یا عمود ہوتا ہے اور یہ تمام گروپ باہم مربوط ہیں۱۰۴؎ واضح رہے مولانا فراہی نے بھی اس ترتیب کی حکمت واضح کرنے کے لیے ظاہری طور سے قرآن کی تمام سورتوں کو چند گروپوں میں تقسیم کرکے دکھایا ہے۔ انھوں نے انھیں کل نو گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ البتہ ان کے الفاظ سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ مولانا اصلاحی کے یہاں ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ ظاہری تقسیم ہر حال میں نو گروپوں پر ہی منحصر ہوگی۔ بلکہ جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے، انھوں نے اسے ایک نمونہ کے طور سے پیش کیا ہے۔ جس سے قرآن کے مجموعی نظام کی طرف ذہن منعطف ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کے مجموعی نظام کے مخفی پہلو کے طور سے مولانا اصلاحی نے جن نکات پر زور دیا ان میں ایک کے علاوہ تمام باتیں وہی ہیں جنھیں مولانا فراہی نے

دلائل النظام اور تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ میں نظم قرآن کے بنیادی اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔ قرآن کے مخفی نظام کے سات پہلوؤں کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) ہر سورہ کی طرح سورتوں کے ہر گروپ کا بھی ایک عمود ہے (۲) ہر گروپ کی مکی و مدنی سورتیں آپس میں مکمل طور سے ہم آہنگ ہیں (۳) ہر سورہ زوج زوج ہے (۴) صرف سورہ فاتحہ زوج زوج کے کلیہ سے الگ ہے کیوں کہ وہ پورے قرآن کا دیباچہ ہے (۵) بعض سورتیں ضمنی و ذیلی حیثیت میں آتی ہیں یعنی مقصد کے لحاظ سے وہ کسی سورہ کا مستقل جوڑا نہیں ہوتیں بلکہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ سابق سورہ کے کسی پہلو کی وضاحت کی غرض سے ہوتی ہیں (۶) ہر گروپ کے اندر اسلامی دعوت کے ادوار نمایاں ہیں۔ البتہ ان میں ایجاز اور تفصیل کا فرق ہے (۷) قانون وشریعت کا گروپ تمام گروپوں پر مقدم اور منذرات کا گروپ سب سے آخر میں ہے۔[۱۰۵] اس مقالے کی گزشتہ اور آئندہ سطروں سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ ''قرآن کے مجموعی نظام کے مخفی پہلو'' کی شکل میں مولانا اصلاحیؒ نے جو تفصیلات بھی پیش کی ہیں وہ امام فراہی کے بنیادی اصول نظم کا خلاصہ ہیں۔ اس طرح ان کے قلم سے قرآن کے مجموعی نظام کے ان دونوں ہی پہلوؤں کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے وہ دراصل بنیادی طور پر افکار فراہی کی ترجمانی ہے۔ مگر ''کوہیرینس ان قرآن'' کے مصنف نے مولانا اصلاحی کے اس تصور کا جس انداز سے جائزہ لیا ہے اس سے مجموعی طور سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ تصور اصلاً مولانا اصلاحی کی کھوج ہے اور یہ کہ مولانا فراہی کے یہاں یہ فکر بالکل ابتدائی شکل میں ہے جسے مولانا اصلاحیؒ نے مکمل کیا اور ترقی دی اور ان کا یہ کام بڑی حد تک ''اوریجنل'' ہے۔[۱۰۶] (His Treatment of it is, thus original to very large extent) لیکن مولانا فراہی کے تصور نظام کے تمام پہلوؤں کا بالاستیعاب جائزہ لینے سے ان کے اس دعوی کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ مولانا فراہی نے اپنی کتاب ''دلائل النظام'' اور قرآن مجید پر اپنے حواشی میں اس موضوع پر کافی مواد فراہم کیا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے گروپوں کی تقسیم و ترتیب، مکی اور مدنی سورتوں کی حیثیت، رسول اکرم ﷺ کے تین دعوتی ادوار کے لحاظ سے سور قرآنی کی مختلف

مجموعوں میں تقسیم اور ادوار دعوت سے ان کے مضامین کی مطابقت، قرآن کی نزولی و موجودہ ترتیب کے درمیان فرق، یہ اور اس طرح کے دیگر متعلقہ پہلوؤں پر ان کے یہاں انتہائی اہم نکات اور قیمتی اشارات پائے جاتے ہیں اور اس موضوع پر مولانا اصلاحی نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ بڑی حد تک انہی اشارات کا خلاصہ ہے اور اس میں بنیادی طور پر کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ذیل کی سطروں میں اس پہلو کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تمام سورتوں کو ان کے بنیادی مضامین کے لحاظ سے تقسیم کرنا اور ہر گروپ کا مرکزی موضوع یا مولانا فراہی کی اصطلاح میں ان کا عمود متعین کرنا، قرآن کے بنیادی اجزاء کے باہم ربط و نظم کو واضح کرنا، اور سورتوں کو ان کے مضامین کے لحاظ سے کبھی اصل موضوع کی نمائندہ اور کبھی کسی سورہ کے ذیلی و ضمنی سورہ ہونے کے فرق کو واضح کرنا یہ سب قرآن کے مجموعی نظام کا حصہ ہے اور جیسا کہ گزشتہ سطروں میں اشارہ کیا گیا، مولانا فراہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے نظم کے ان تمام پہلوؤں پر ''بنیادی اصول نظم'' کے طور سے ایک منظم اور مدلل بحث کی ہے اور قرآن کے مجموعی نظام کا تصور دے کر نظم قرآن سے متعلق ہونے والی کوشش کو اس کی آخری منزل تک پہنچا دیا، اس لیے اس دریافت کو کسی اور شخصیت سے وابستہ کرنا یا مولانا فراہی کی خدمات کو اس طرح پیش کرنا کہ اس کی پوری اہمیت اور نوعیت ابھر کر سامنے نہ آئے قرین انصاف نہ ہوگا۔ بلاشبہ آیات کے درمیان باہمی ربط و مناسبت یا کسی ایک سورہ کے مختلف اجزاء کے باہمی نظم کا تصور تو مولانا فراہی سے قبل دیگر علماء کے یہاں بھی نظر آتا ہے لیکن مفہوم و معنی کے لحاظ سے سورتوں کو مختلف گروپ میں تقسیم کر کے ان کے درمیان موجود ربط و نظم کو واضح کرنا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر قرآن میں بیان کیے گئے احکام وقوانین کے درمیان منطقی ربط و تعلق کا نظریہ دینا، یہ ایسا کارنامہ ہے جو ہمارے علم کی حد تک مولانا فراہیؒ سے پہلے کسی اور نے انجام نہیں دیا۔ اور مولانا اصلاحیؒ نے قرآن کے جس مجموعی نظام کا ذکر کیا ہے وہ پوری طرح ان کے استاذ کی اسی فکر سے اخذ واستفادہ کا نتیجہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مولانا فراہیؒ پورے قرآن کی تفسیر نہیں لکھ سکے اور جس کے نتیجہ میں وہ اپنے تصور کے

مطابق مضامین کے لحاظ سے سور قرآنی کے مختلف گروپوں کے داخلی نظم و ربط کے تمام پہلوؤں اور ہر گروپ کے عمود پر اس طرح بحث نہیں کر سکے جیسے وہ چاہتے تھے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ انھوں نے ایک دو جملہ میں اس کے طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے نظم کے صرف اسی ایک مسئلہ پر اپنی کتابوں، خصوصا دلائل النظام، تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ اور غیر مطبوعہ حواشی قرآن میں جو اہم اشارات چھوڑے ہیں انھیں جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے یہ اس لیے بھی ضروری تھا کیوں کہ قرآن کا مجموعی نظام ہی نظم پر ان کی تحقیق و جستجو کی اصل منزل تھی۔ صرف اپنی کتاب دلائل النظام میں ہی انھوں نے کم سے کم ۱۴ مقامات پر مستقل عناوین کے تحت نظم کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور اس طرف سے علماء کی غفلت اور بے توجہی کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ بعض علماء نے علم مناسبت پر عمومی طور پر اظہار خیال کیا ہے لیکن اس کے مجموعی نظام پر کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ حالاں کہ صرف آیات کی باہمی مناسبت بیان کر دینے سے کلام کی معنوی وحدت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بقول ان کے ''صرف قریب کی آیات کے نظم پر اکتفا کرنے والا کسی بھی قسم کے نظم پر قانع ہو جاتا ہے اور اس نظم سے بے خبر رہتا ہے جس سے پورا کلام متحد المعانی ہو کر ایک وحدت میں ڈھل جاتا ہے''۔[۱۰۷]
عام علم مناسبت کے مقابلہ میں ''نظام'' سے ان کے نزدیک کیا مراد ہے؟ اسے ان کے درج ذیل الفاظ سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

> ''مجموعی طور سے نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورہ پوری طرح وحدت کی حامل ہو، پھر ماقبل و مابعد کی سورہ سے اس کا ربط استوار ہو یا سابقہ و لاحقہ سورتوں کا، ماقبل و مابعد کی سورتوں سے ربط و تعلق واضح ہو، جیسا کہ آیات کے سلسلہ میں ہم نے دیکھا۔ جس طرح بعض آیات کبھی کبھی درمیان میں بطور جملہ معترضہ آتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی جملہ معترضہ کی شکل میں آتی ہیں۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر آپ نظم پر غور کیجیے تو پورا قرآن اول تا آخر کلام واحد نظر آئے گا

> جس کے تمام اجزاء شروع سے آخر تک باہم متحد و مربوط ہیں''۔[۱۰۸]

اس سے یہ ظاہر ہوا کہ چاہے وہ سورہ کا مجموعی نظم ہو یا پورے قرآن کے بنیادی اجزاء کا مجموعی نظام، وہ ہر جگہ مقصود کلام یا مرکزی موضوع کی تلاش کو حد درجہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جس طرح نظم سورہ کے ان کے نزدیک کچھ اصول ہیں اسی طرح قرآن کے مجموعی نظام یا اس کے مجموعہ ہائے سور کے باہمی ربط و تعلق کے مطالعہ کے بھی ان کے یہاں کچھ ٹھوس اصول موجود ہیں، جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ جس طرح نظم سورہ کو جاننے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نظم کے لحاظ سے مربوط آیات کے درمیان کون سی آیت یا آیات بطور جملہ معترضہ، ضمنی یا ذیلی حیثیت سے آئی ہیں۔ اسی طرح مفہوم و معنی کے لحاظ سے ہم آہنگ سورتوں کے درمیان بھی بعض سورتیں ذیلی و ضمنی حیثیت سے آجاتی ہیں۔[۱۰۹] اور ان کی اس حیثیت کو سمجھے بغیر قرآن کے مجموعی نظام کو سمجھنا مشکل ہے۔ نظم کے اس پہلو پر امام فراہیؒ نے مختلف مقامات پر زور دیا ہے۔ کیوں کہ کسی مسئلہ کی مزید توضیح و تشریح کے لیے وارد ہونے والی توضیحی آیات یا سورتیں نظم کلام کے اصل مرکز تک پہنچانے میں کلیدی رول ادا کرتی ہیں اور ان کو اگر ایک بار سمجھ لیا جائے تو ان کے مطابق پورا قرآن کلام واحد نظر آئے گا۔[۱۱۰] ان کے اس اصول کی اہمیت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مجموعی نظام القرآن کا تصور کتنا جامع اور ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے۔ قرآن کے مجموعی نظام سے متعلق ان کی بحث کے دو حصے ہیں (۱) ایک حصہ مجموعہ ہائے سور میں نظم پر مشتمل ہے، اس کا مطلب ہے کہ قرآن کی تمام سورتیں مفہوم و معنی کے لحاظ سے کچھ خاص گروپ میں بٹی ہوئی ہیں اور یہ گروپ معنوی طور سے آپس میں مربوط اور ہم آہنگ ہیں (۲) دوسرا حصہ قرآن میں بیان کیے گئے احکام و شرائع کے منطقی ربط و تعلق سے بحث کرتا ہے۔ اور امام فراہیؒ نے یہ واضح کیا ہے کہ قرآن میں مختلف احکام و ہدایات کا ذکر جب ایک ساتھ ہوتا ہے تو اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جو ان احکام و شرائع کے آپسی ربط و تعلق کو سمجھنے کے بعد ہی منکشف ہوتی ہیں[۱۱۱] مولانا فراہی کے مقابلہ میں مولانا اصلاحیؒ نے اپنے مقدمہ تفسیر یا ہر گروپ کی پہلی متعلقہ سورہ میں نظم کے

اس پہلو سے جو بحث کی ہے وہ ظاہری اور معنوی دونوں لحاظ سے امام فراہیؒ کے مقابلہ میں مختصر ہی کہی جائے گی۔ مزید یہ کہ انھوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ چند جزوی فرق کے باوجود فی الوقع استاذ ہی سے اخذ واستفادہ ہے۔

مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب دلائل النظام میں مختلف مقامات پر نظم کی اس قسم کے مختلف پہلوؤں سے جو بحث کی ہے ان میں سے ایک مضمون ''**الکلام فی نظم السور بعضها مع بعض۔ بیان النظم العمومی**'' کے عنوان کے تحت قلم بند کیا گیا ہے، اس میں انھوں نے قرآن کی مکی و مدنی سورتوں کو ان کی ملی جلی ترتیب کے لحاظ سے نو گروپوں میں تقسیم کیا ہے اور تقسیم سے پہلے اگرچہ انھوں نے تمہیدی کلمات میں یہ واضح کردیا ہے کہ یہ تقسیم فی الواقع مطالب ومضامین کے لحاظ سے نہیں ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتادیا ہے کہ سورتوں کا ہر گروپ جس طرح مکی سورتوں سے شروع ہوکر مدنی سورتوں پر ختم ہوا ہے اور مکی سورتوں کے ہر گروپ کے اندر جس طرح ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتیں ترتیب پائی ہیں، وہ اس بات کی شہادت ہے کہ قرآنی سورتوں کی موجودہ ترتیب، جو اللہ اور رسول کی واجب کردہ (یا توقیفی) ہے، نظم کی حکمتوں سے خالی نہیں ہے۔[۱۱۲] مولانا فراہی کے نو گروپ کے مقابلہ میں مولانا اصلاحیؒ نے مکی و مدنی ترتیب کے لحاظ سے تمام سورتوں کو سات گروپ میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ایک گروپ تو صرف اس وجہ سے کم ہوگیا ہے کہ مولانا فراہی کا چوتھا گروپ مولانا اصلاحی کے تیسرے گروپ میں ضم ہوگیا اور دوسرا گروپ اس طرح کم ہوا کہ فراہی نے آخری دو سورتیں 'معوذتین' کو ایک مستقل گروپ کی حیثیت میں رکھا ہے جب کہ مولانا اصلاحیؒ کے یہاں یہ آخری گروپ کا حصہ ہیں۔ مولانا فراہی کے نزدیک جس طرح سورہ فاتحہ قرآن کے دیباچے کے طور سے اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ اس کا تعلق پورے قرآن سے ہے، اسی طرح معوذتین بھی پورے قرآن کے خاتمہ کے طور سے ہیں جن کا تعلق ایک طرف سابق سورہ 'سورہ اخلاص' سے ہے جو قرآن کے تمام مرکزی موضوعات کا خلاصہ ہے، دوسری طرف خاتمہ قرآن کی حیثیت سے ان کا ربط تمام سابق سورتوں سے ہے۔[۱۱۳]

بہر حال مولانا اصلاحیؒ نے نظم کے لحاظ سے سور قرآنی کو گروپوں میں تقسیم کرنے کے سلسلے میں جو کچھ بھی کیا ہے وہ بنیادی طور سے افادات فراہی کا ایک جز ہے اور ان دونوں کے یہاں گروپوں کی تقسیم میں جو فرق ہے وہ بالکل جزوی اور ظاہری نوعیت کا ہے جس سے اصل مقصد میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ یہاں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اصل کھوج سورتوں کو مختلف گروپوں میں تقسیم کرنا اور ان کے درمیان موجود ربط ونظم کو واضح کرنا ہے، یہاں یہ اہم نہیں ہے انھیں کتنے گروپوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایک کتاب کے مضامین ومطالب واضح ہوجانے کے بعد اس کے بنیادی ابواب کو اس کے سیاق کلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب ضرورت مختلف گروپوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، کسی کے یہاں یہ گروپ کم ہوسکتے ہیں اور کسی کے یہاں زیادہ، لیکن اس سے کتاب کے بنیادی موضوعات ومقاصد میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ مشکل تو اس وقت ہوگی جب اس کے ابواب کے باہمی نظم وترتیب کا سرے سے علم ہی نہ ہو اور یہی نہ پتہ ہو کہ کس باب کا مضمون کیا ہے اور اس کا پہلا اور آخری سرا کہاں ہے؟ یہی حال قرآن کریم کی سورتوں کا ہے، اگر یہ تصور ہی سرے سے موجود نہ ہو کہ اس کی سورتیں مفہوم ومعنی کے لحاظ سے باہم مربوط ہیں اور یہ سورتیں مجموعی لحاظ سے کسی کتاب کے ابواب وفصول کی طرح گروپوں میں تقسیم ہیں اور سب ایک دوسرے سے کسی نہ کسی پہلو سے جڑی ہوئی ہیں تو پھر کسی کے لیے یہ کیسے ممکن ہوگا کہ وہ انھیں گروپوں میں تقسیم کرکے ان کے رشتہ بندیوں کے بارے میں سوچے؟ ہاں جب ایک بار اس کے مجموعی نظام کا تصور سامنے آگیا تو بعد والوں کے لیے یہ سب باتیں آسان ہوگئیں اور پھر یہ چیز بہت زیادہ اہم نہیں رہی کہ ان میں سے کون انھیں کتنے گروپوں میں تقسیم کرکے ان کے مطالب وموضوعات کا تجزیہ کرتا ہے، یہ تو محض مسئلے کا ایک ظاہری پہلو ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان حصوں میں بیان کیے گئے موضوعات کے باہمی ربط وتعلق کو اس خوبی سے بیان کیا جائے کہ قرآن کا مجموعی نظام بدر کامل کی طرح روشن ہوکر سامنے آجائے۔

اس سے پہلے کہ مولانا فراہیؒ کے ذریعہ سور قرآنی کی تقسیم وتجزیہ کا مختصراً جائزہ

لے کر یہ دیکھا جائے کہ قرآن کے مجموعی نظام کی اصل روح کیا ہے؟ یہاں ہم آپ کو ایک بار پھر اس پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہیں گے کہ مولانا اصلاحیؒ نے مکی و مدنی کے لحاظ سے ان سورتوں کو سات گروپوں میں تقسیم کرنے پر اس قدر جو زور دیا ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے تمام سور قرآنی کو مضامین کے لحاظ سے سات گروپوں میں ہونے اور ہر دو سورہ کے جوڑا جوڑا ہونے کے اپنے نظریے پر قرآن کی آیت ''سبعا من المثانی'' کو دلیل بنایا ہے جس کی تفصیل پچھلی سطروں میں آچکی ہے۔ جہاں تک موضوعاتی لحاظ سے سورتوں کی گروپ بندی کا معاملہ ہے تو مولانا اصلاحی نے سات گروپوں کی تقسیم میں تقسیم کے دونوں ہی پہلوؤں (یعنی مکی و مدنی گروپوں کے ملے جلے گروپوں پر مبنی ان کی ظاہری تقسیم اور موضوعات و مطالب کے لحاظ سے ان کی تقسیم) کو ایک ساتھ مدنظر رکھا ہے۔ جب کہ مولانا فراہیؒ نے اپنی تقسیم کو ایک ظاہری تقسیم قرار دیا ہے اور جیسا کہ ان کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے، اس ظاہری گروپ بندی کو انھوں نے محض ایک نمونہ کے طور سے پیش کیا ہے اور ہمیں اس مسئلہ پر غور وفکر کی دعوت دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ قرآن کے اس پہلو پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مکی و مدنی سورتوں پر مبنی کچھ سورتوں کا ایک گروپ میں مرتب ہونا اور تمام سورتوں کا موضوع کے لحاظ سے چند گروپوں میں نظر آنا اس بات کی شہادت ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں کے ہر گروپ کی شناخت اس کے بنیادی مضامین و مطالب سے ہوگی (وبالجملة فالحکم بکون عدة من السور جملة واحدة، مبنی علی الاستدلال بالمطالب)۱۱۴ مولانا اصلاحی نے، جیسا کہ واضح کیا گیا، اپنے تقسیم کردہ سات گروپوں کے نظم پر اپنے مقدمہ تفسیر اور ہر گروپ کی ابتدائی سورہ کی تفسیر کے تمہیدی کلمات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں ''اگر مذکورہ ساتوں گروپوں کی تلاوت بار بار غور وتدبر کے ساتھ کی جائے تو اس ترتیب کی بہت سی حکمتیں واضح ہوتی ہیں''۔۱۱۵ پھر اس مجموعی نظام کی ایک سب سے بڑی حکمت ومصلحت ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس سے سورتوں کے مختلف گروپوں اور ان کے بنیادی موضوعات کی طرف ہماری رہنمائی ہوتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ہر سورہ کا ایک موضوع ہوتا

ہے اسی طرح سورتوں کے ہر گروپ کا ایک موضوع ہوتا ہے جس سے اس گروپ کی تمام سورتیں جڑی ہوتی ہیں۔۱۱۶

مولانا فراہیؒ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف موضوع کے لحاظ سے تمام سور قرآنی کے مختلف گروپوں میں تقسیم ہونے اور ان کے ''متحد المعانی'' ہونے کا عظیم تصور پیش کیا بلکہ انھوں نے اپنی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تالیفات میں کچھ ایسے قیمتی اشارات چھوڑے ہیں جن سے یہ اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ مجموعی طور سے قرآن کی تمام سورتیں اپنے مضامین و مطالب کے لحاظ سے تین حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے یہ نکتہ بھی واضح کیا ہے کہ نزولی ترتیب کے لحاظ سے، جن میں دعوت ونبوت کے فطری تقاضوں اور مراحل کو مدنظر رکھا گیا تھا، قرآنی مضامین ومطالب کو تین حصوں میں تقسیم کرکے قرآن کے مجموعی نظام کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے یہ تین گروپ یا اجزاء اس طرح ہیں۔ (۱) نزول قرآن کے ذریعہ سب سے پہلے وہ بنیادیں استوار کی گئیں جن پر احکام وقوانین کی عمارت کی تاسیس ہوتی ہے۔ اس حصہ میں سب سے پہلے تلاوت قرآن، نماز، تقرب الٰہی اور خدا کی الوہیت وربوبیت کے فطری وعقلی مظاہر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے تاکہ دعوت کے صبر آزما کام کے لیے ایک طرف نبیؐ اور ان کے ساتھیوں کے اندر دل جمعی وثابت قدمی پیدا ہو اور ساتھ ہی دعوت وتوحید ورسالت محمدی کے پیغام کے لیے زمین ہموار ہوسکے۔ (۲) دوسرے مرحلہ میں دعوت واشاعت حق کا حکم دیا گیا جس میں پہلو بہ پہلو تعلیم وتربیت اور تذکیر کی غرض سے انذار وتبشیر اور ترغیب وترہیب پر مبنی آیات بھی بیان ہوئی ہیں۔ نیز کتاب وحکمت کی تعلیم، شرک کی نفی، تقوی وانابت اور اعمال حسنہ کی ترغیب اور صبر وثابت قدمی کی تربیت سے متعلق امور بھی دوسرے حصے کا جز ہیں جو دعوت کے دوسرے مرحلہ میں نازل کی گئی آیات قرآنی میں بیان ہوئے ہیں (۳) نزولی لحاظ سے قرآن کا تیسرا اور موجودہ توقیفی ترتیب کے لحاظ سے پہلا حصہ وہ ہے جو تکمیل دین اور اشاعت حق کی بنیادوں کے مستحکم ہوجانے کے بعد کے مرحلے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ امت مسلمہ کو ملنے والے احکام وشرائع کی تفصیلات پر مبنی ہے چنانچہ ضروری وعظ ونصیحت اور ترغیب وترہیب

کے ساتھ احکام وشرائع کا یہی حصہ سب سے آخر میں نازل ہوا۔۱۱۷ جس میں سورہ فاتحہ اور قرآن کی چار ابتدائی بڑی سورتیں بھی شامل ہیں۔ اس موقع سے وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قرآن کی موجودہ توقیفی ترتیب نزول قرآن کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے بلکہ مطالب ومضامین کی منطقی ترتیب اور اس وقت کے ماحول اور تعلیم و ترتیب کے فطری تقاضوں کے لحاظ سے معرض وجود میں آئی ہے اور اس میں ان کے بقول جو چیز نزول میں سب سے مقدم تھی وہ مؤخر ہوگئی اور جو چیز سب سے آخر میں نازل ہوئی اسے ترتیب میں سب سے پہلے جگہ دی گئی۔۱۱۸ ایسا اس لیے ہوا کیوں کہ اب سرزمین دعوت اور مخاطب کی کیفیت بدل چکی تھی اور مخاطب کی کیفیت بدلنے سے اس کی ضروریات بھی بدل گئیں۔ پہلے قرآن کے سامنے مشرک عرب تھا اور اب ایک مسلم عرب اور ایک مسلم معاشرہ اس کا مخاطب تھا جسے سب سے پہلے زندگی کے تمام اہم شعبوں سے متعلق احکام وقوانین کی ضرورت تھی۔ چنانچہ وہ حصہ سب سے پہلے رکھا گیا جو امت مسلمہ کی ضرورت تھی۔ یعنی اسلامی احکام وقوانین پر مبنی حصہ۔ اس کے بعد وہ حصہ ہے جو منطقی طور سے نزولی ترتیب اور توقیفی ترتیب دونوں کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ آخر میں وہ حصہ ہے جو نزول میں سب سے پہلے تھا۔ اس کے علاوہ امام فراہیؒ نے قرآنی سورتوں کے اساسی گروپوں کے موضوعات اور ان کے باہمی ربط وتعلق پر رہنما اشارے کیے ہیں۔ ان کے رسالہ دلائل النظام کی فصول ۴۰، ۴۱، ۴۳، ۴۴اور ۴۵ میں خاص طور سے ان اجزاء کے داخلی نظام کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور قرآن کے مجموعی نظام کے نقطہ نظر سے مذکورہ کتاب کی بعض فصلوں اور قرآنی نوٹ کی متعلقہ بحثوں کے تحت ان بنیادوں کو مستحکم کیا گیا ہے جن پر مجموعی نظام قرآن کی دیدہ زیب اور عظیم الشان عمارت کی تعمیر ممکن ہوتی ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے انہی بنیادوں کو استعمال کرکے قرآن کے مجموعی نظام کا نقشہ پیش کیا ہے۔ لیکن مولانا فراہیؒ کے یہاں مجموعی نظام قرآن کی بحث میں جو چیزیں ادھوری نظر آتی ہیں وہ ان کے یہاں بھی اس سلسلہ میں بات کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھی ہے بلکہ مولانا فراہی کے تصور نظم کی ترجمانی کے پہلو سے بھی کہیں کہیں صورت حال بہت زیادہ اطمینان

بخش نہیں ہیں۔ جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع تو نہیں ہے البتہ اس موقع پر ایک دو پہلو کی طرف اشارہ کرنا شاید نامناسب نہ ہو۔

سورتوں کے گروپوں کے مطالب کا سرسری جائزہ لینے اور نظم قرآن میں اس کی اہمیت بیان کرنے کے بعد مولانا اصلاحیؒ اپنے مقدمہ تفسیر میں قرآن کے مجموعی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں مثال کے طور سے اتنی بات ذہن میں رکھیے کہ کسی گروپ میں قانون و شریعت کا رنگ غالب ہے، اور کسی میں ملت ابراہیم کی تاریخ اور اس کے اصول وفروع کا، کسی میں کشمکش حق وباطل اور اس کے بارے میں بیان کا حصہ نمایاں ہے، کسی میں نبوت اور رسالت اور اس کے خصائص وامتیازات کا، کسی میں توحید اور اس کے لوازم ومقتضیات ابھرے ہوئے نظر آئیں گے، کسی میں بعث، حشر ونشر اور اس کے مقتضیات، آخری گروپ منذرات کا ہے جو بیشتر مکی سورتوں پر مشتمل ہے''۔۱۱۹

اس مسئلہ میں ان کے یہاں ایک جو سب سے بڑا خلاء نظر آتا ہے وہ یہ کہ مولانا فراہیؒ نے مطالب اور نظم کلام کے لحاظ سے اجزائے قرآنی کی تقسیم میں دعوت اسلامی کے تاریخی مراحل کو خاص طور سے نمایاں کیا ہے جو مولانا اصلاحی کی تحریروں میں اس بھرپور شکل میں نظر نہیں آتا، یا تو ان کے اپنے نقطہ نظر سے یہ پہلو اتنی اہمیت کا حامل نہیں تھا کہ اس پر خصوصی توجہ دی جاتی یا پھر وہ مولانا فراہی کے نقطہ نظر کو پوری طرح اپنی تفسیر میں سمو نہیں سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت اسلامی کی تاریخ کو سامنے رکھ کر قرآن کے مجموعی نظام کا جو خاکہ مولانا فراہیؒ نے پیش کیا ہے۔۱۲۰ اس میں وہ پوری طرح رنگ بھرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور نظم قرآن کی وہ تصویر وتعبیر پیش نہیں کر سکے جس میں مولانا فراہیؒ کے فلسفہ نظام القرآن کا مکمل بھرپور انعکاس پایا جاتا ہو۔ اس کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آیت سبعا من المثانی کی اس مخصوص تاویل اور اس کے نتیجہ میں سورتوں کو سات گروپوں میں تقسیم کے نظریہ پر ان کا اعتماد اس حد تک بڑھا کہ اس سلسلہ میں مولانا فراہی کا تصور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ چنانچہ اس بات پر ان کا یقین اس حد تک پختہ ہے کہ ان

کے خیال میں قرآنی آیات وسور کی طرح سورتوں کے ساتھ گروپوں میں ان کا تقسیم ہونا بھی توقیفی ہے کیوں کہ یہی تقسیم اس آیت کی مصداق ہے، پوری صورت حال کو اگر سامنے رکھا جائے تو شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس تقسیم میں ان کا اعتماد اس حد تک پختہ نہ ہوتا تو شاید وہ مولانا فراہی کے مجموعی نظام قرآن کی فکر کو عملی جامہ پہنانے اور اس کی صحیح ترجمانی کرنے میں زیادہ کامیاب ہوتے۔ واضح رہے کہ مولانا فراہی کا یہ فکر صرف سورتوں کو گروپوں میں تقسیم کرنے تک محدود نہیں ہے۔ اس کا تعلق دعوت اسلام کے تاریخی مراحل، نزول قرآن کی تاریخ، قرآن کی موجودہ توقیفی اور نزولی ترتیب میں فرق وامتیاز، امت مسلمہ کو ملنے والے احکام وشرائع کا تدریجی نزول ونفاذ اور سورتوں کی مستقل اور ضمنی حیثیتیں اور سور قرآنی کے مختلف گروپوں کا عمود، یہ سب قرآن کے مجموعی نظام سے متعلق فکر فراہی کا حصہ ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنے سے مجموعی نظام کی عمارت ادھوری رہ جاتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہر سورہ کے عمود اور اجزائے سورہ کو ایک وحدت میں پرونے کے کام میں تو وہ کافی حد تک افادات فراہی کی روشنی میں منزل کی طرف گامزن نظر آتے ہیں لیکن سورتوں کے مجموعی نظام کے اہم ترین مرحلے میں جب وہ داخل ہوئے تو اپنے استاذ کی دکھائی گئی اس راہ پر پوری طرح قائم نہیں رہ سکے جس پر وہ چلے تھے اور نظم کے نام پر جو کچھ بھی انھوں نے اپنی تفسیر میں پیش کیا ہے اس میں اگرچہ مولانا فراہی کے فلسفہ نظام القرآن سے وابستگی کی وجہ سے ایک الگ شان ہے لیکن منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں کسی قدر تبدیلی سے اس میں نہ تو ان کا اپنا تصور اپنی مکمل اور بھرپور شکل میں ابھر کر سامنے آپایا ہے اور نہ امام فراہیؒ کا۔

مولانا اصلاحی کے قرآن کے مجموعی نظام کے تصور کے بارے میں اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کی ایک مثال ان کے الفاظ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

> ''اس ترتیب میں قانون وشریعت کے گروپ کو تمام دوسرے گروپوں پر مقدم کردیا گیا ہے اور منذرات کے گروپ کو آخر میں کردیا گیا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انذار سے مقصود درحقیقت لوگوں کو غلط راہ سے موڑ کر صحیح راہ پر لگانا ہے اور صحیح راہ شریعت کی راہ ہے''۔[121]

اس عبارت کو غور سے دیکھنے پر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ انھوں نے یہاں اپنی پہلی بات میں تو اپنے استاذ کی پیروی کی کہ احکام وشرائع کا حصہ مصلحتاً ترتیب میں اول ہے لیکن اس مسئلہ کے دوسرے پہلو کے تعلق سے ان کی بات کسی قدر مبہم ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ منذرات کا گروپ سب سے آخر میں رکھا گیا ہے، یہ اشکال پیدا کرتا ہے کہ کیا منذرات کو ایک مستقل گروپ کے طور سے سورتوں کے گروپوں میں رکھا جاسکتا ہے؟ حالاں کہ تمام گروپوں پر بغور نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ قرآن کی طرف سے مشرکین مکہ وکفار عرب کو ملنے والی وارننگ اور دھمکیوں کا سلسلہ کسی ایک گروپ تک محدود نہیں بلکہ یہ پورے قرآن میں پھیلا ہوا ہے[122] یہ انذار کہیں براہ راست ہے اور کہیں بالواسطہ، سورہ بقرہ سے سورہ لہب تک کسی نہ کسی شکل میں یہ عنصر کلام الٰہی کا حصہ ہے اور مولانا فراہی کے مطابق آخری گروپ کی طرح پچھلے گروپوں میں بھی اس کا اثر موجود ہے، البتہ زیادہ تر سورتوں میں یہ مستقل اور مرکزی موضوع یا مقصد کلام کے طور سے نہیں بلکہ ذیلی وضمنی حیثیت میں آیا ہے۔ ترغیب وترہیب کے کلمات کے ذریعہ ایک طرف تو مسلمانوں کی تسلی ودل جوئی مقصود تھی اور دوسری طرف مخالفین اسلام کو ان کا انجام بد یاد دلا کر ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خوف پیدا کرنا تھا لیکن مقصد صرف دھمکیاں دینا اور ڈرانا نہیں تھا بلکہ ان کے ذریعہ اصل مقصد کی طرف مخاطب کو متوجہ کرنا تھا۔ یہاں دوسرا اشکال یہ ہے کہ آخری گروپ جو نزولی ترتیب کے لحاظ سے کلام الٰہی کا پہلا گروپ ہے، اگر صرف منذرات پر مبنی ہوتا تو پھر اسلام کی وہ بنیادی تعلیمات اور بنیادی عقائد جیسے توحید وربوبیت، رسالت وآخرت کے اثبات اور ساتھ ہی شرک کی نفی پر مبنی آیات، اس گروپ کا حصہ کیسے ہیں؟ اور ان مضامین کے ہوتے ہوئے انھیں منذرات کا گروپ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ اور اگر بالفرض منذرات کو سب سے پہلے رکھا گیا ہے تو پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور دعوت توحید پیش کرنے سے پہلے قرآن نے مشرکین عرب کا دھمکیوں سے استقبال کیا جو ظاہر ہے دعوتی مصلحت کے بالکل خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ

اگر منذرات یا ڈرانے والی آیات سے کلام کا آغاز ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ لوگ پہلے مرحلے ہی میں دعوت اسلام سے بدک جاتے اور قبل اس کے کہ قرآن کا پیغام ان تک پہنچتا وہ کلام الٰہی سے برگشتہ ہو کر اس سے دور کھڑے نظر آتے جب کہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ قرآن نے اپنی اعجاز بیانی اور قوت تاثیر کے بل پر عرب کی سنگلاخ زمین میں ایمان کے چشموں کو ابلنے اور سنگ دل انسانوں کو اپنے سامنے موم کی طرح پگھلنے پر مجبور کر دیا اور اس کے معجزہ سے مسحور پوری عرب قوم صرف ۲۳ سال میں اسلام کی حقانیت کے سامنے سرنگوں ہو گئی۔ اسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ فراہیؒ نے آخری گروپ کو ایسی ہدایات و تعلیمات کا گروپ قرار دیا ہے جس پر احکام و قوانین کی بنیاد رکھی گئی (**فنزل ماینبنی علیه الاحکام**) [۱۲۳] وہ ہدایات جن پر بعد میں شریعت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی اسلام کے بنیادی عقائد، توحید، رسالت اور آخرت وغیرہ ہیں اور ان ہدایات کے پہلو بہ پہلو ترغیب و ترہیب کی باتیں بھی بار بار دہرائی گئی ہیں اور اس کے علاوہ حسب موقع نبی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو صبر، نماز، تقویٰ و تقرب الٰہی اور اطاعت رسول کی تلقین و نصیحت بھی اس گروپ کے مضامین کا اہم حصہ ہیں لیکن یہ سب باتیں قرآن کی اصولی دعوت توحید، جو اس گروپ کا مرکزی موضوع ہے، کا ضمنی حصہ ہیں۔ جیسا کہ مولانا فراہی لکھتے ہیں:

> **"انما نزل القرآن حسب تربیتهم، فنزل ما ینبنی علیه الاحکام، ثم نزل مافیه الاحکام مع الخلط بالترغیب والترهیب وتفصیل الاحکام جاء بعد الاجمال"**۔ [۱۲۴]

یہاں خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے یہ واضح کرتے ہیں کہ ترغیب و ترہیب یا انذار و تبشیر کے مضمون کا قرآن کے بنیادی اجزاء کے اصل موضوعات کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ توحید و رسالت کی دعوت کے ساتھ ساتھ تذکیری باتوں کا ذکر اس لیے کیا جاتا کہ وہ لوگ جن کے دلوں پر صدیوں سے کفر و شرک کی موٹی تہہ جم گئی تھی، کسی غلط فہمی میں نہ رہیں اور انھیں یہ سمجھنے میں دقت نہ ہو کہ یہ دعوت اس رب العالمین اور احکم الحاکمین کی دعوت ہے جو اس کائنات کا مالک حقیقی ہے جس کا حکم اس

کے ہر ذرہ پر چلتا ہے اور جو محض اپنے ایک اشارہ 'کن' پر اسے زیر و زبر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس طرح مولانا فراہی نے نظم کے لحاظ سے تقسیم کیے گئے سور قرآنی کے گروپ میں آخری گروپ کے جو بنیادی مضامین بیان کیے ہیں وہ قرآن کے مجموعی نظام کی روح سے زیادہ قریب ہیں۔ [۱۲۵]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فکر فراہی کے شارح اور ترجمان ہیں۔ مولانا فراہی کے تفسیری نظریات سے علمی دنیا کو روشناس کرانے کا کام بنیادی طور پر انھوں نے ہی انجام دیا ہے۔ مولانا کے افکار و نظریات کی اشاعت میں ان کا کردار غیر معمولی ہے۔ مولانا کے تصور نظم کو انھوں نے نہ صرف یہ کہ علمی دنیا میں متعارف کیا بلکہ اپنی عظیم الشان تفسیر "تدبر قرآن" میں اسے عملاً برت کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ محض کوئی نظری فلسفہ نہیں ہے بلکہ ایک قابل عمل نظریہ ہے۔ اس کے باوجود سطور بالا میں پیش کی گئی معروضات کی روشنی میں جو صورت حال ابھر کر سامنے آتی ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے قرآن کے مجموعی نظام کے سلسلہ میں مولانا فراہیؒ کے افکار پر کوئی نوعی اضافہ کیا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے ان کے افادات کی روشنی میں ان کی ترجمانی کی حتی الوسع کوشش کی ہے لیکن اس میں بھی فکر فراہی کا بھرپور اور مکمل انعکاس نہیں پایا جاتا۔ اس صورت حال میں یہ کہنا کہ "قرآن کے مجموعی نظام کا تصور ان کا اپنا اوریجنل تصور ہے" یا یہ کہ انھوں نے اسے مولانا فراہیؒ کے مقابلہ میں "زیادہ ایڈوانس" (Advanced) شکل میں پیش کیا ہے، محل نظر ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ سوانحی تفصیلات کے لیے دیکھیے ششماہی علوم القرآن، مولانا امین احسن اصلاحی نمبر، علی گڑھ، دسمبر ۲۰۰۰ء

۲۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی دہلی، ۱۹۸۹ء، ۱/۲۰-۲۱

۳۔ تدبر قرآن، ۱/۷

۴۔ نفس مصدر: ۱/۴۱

۵۔ مولانا فراہی کی جو تصانیف اب تک غیر مطبوعہ ہیں ان میں ان کا وہ قیمتی اور نہایت اہم قرآنی نوٹ بھی شامل ہے۔ جس میں انھوں نے قرآن مجید کی تقریبا ہر ایک آیت پر حسب ترتیب حاشیہ لکھا ہے۔ اصل سے نقل کردہ اس نوٹ کی کاپیاں اس وقت بعض اہل علم کے پاس موجود ہیں۔ مولانا کی غیر مطبوعہ تصانیف کے لیے دیکھیے ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی، تصانیف فراہی کا غیر مطبوعہ سرمایہ، مشمولہ علامہ حمید الدین فراہی : حیات وافکار، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر ۱۹۹۲ء، ص ص ۵۷-۹۶

۶۔ تدبر قرآن، ۱/۱۵-۱۶

۷۔ نفس مصدر، ۱/۱۷

۸۔ امام حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء ص ۳۱۔

۹۔ یہ کتاب پہلے الگ سے شائع ہو چکی ہے لیکن اس وقت یہ دائرہ حمیدیہ، اعظم گڑھ کے ذریعہ شائع کیے گئے، ''رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن'' کا ایک حصہ ہے جو مولانا فراہی کے تین اہم رسائل۔ دلائل النظام، التکمیل فی اصول التاویل، اور اسالیب القرآن پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو کر ختم ہو چکے ہیں۔ میرے پیش نظر ۱۹۹۱ء کا ایڈیشن ہے جو اصلاً دوسرا ایڈیشن (الطبعۃ الثانیہ) ہے۔ اس مقالہ میں دلائل النظام کے تمام حوالے اسی مجموعہ سے لیے گئے ہیں۔

۱۰۔ رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۱ء، ص ۳۱

۱۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ''رسائل الامام الفراہی'' ص ص ۲۹-۳۲

۱۲۔ نفس مصدر، ص ص ۲۱، ۲۸، ۳۱

۱۳۔ دیکھیے تفسیر نظام القرآن، ص ص ۳۰-۳۱

۱۴۔ تدبر قرآن، ۱/۲۲

۱۵۔ تفسیر نظام القرآن، ص ص ۳۰-۳۱

۱۶۔ نفس مصدر، ص ۳۱

۱۷۔ تدبر قرآن، ۱/۲۱-۲۲

۱۷/الف۔ نفس مصدر، ص ۱/۳۲

۱۸۔ نفس مصدر، ص ۱/۲۴

۱۹۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر نظام القرآن، ص ص ۶۰-۶۱

۲۰۔ مولانا فراہی کے فلسفہ نظام القرآن میں تصور عمود کو انتہائی اہم اور کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے تصور عمود کو سمجھنے کے لیے دیکھیے۔ رسائل الامام الفراہی، ص ص ۴۷، ۸۴-۸۵، ۸۷-۸۸، ۸۹ اور تفسیر نظام القرآن، ص ۴۸، ۴۹، ۵۱

۲۱۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رسائل الامام الفراہی، ص ص ۸۶-۸۷، ۹۵-۹۶

۲۲۔ قرآن میں بیان کیے گئے احکام وشرائع کے باہمی ربط وتعلق کا مسئلہ قرآن مجید کے مجموعی نظام کا ایک اہم پہلو ہے جو اس میدان میں مولانا فراہی کی امتیازی دریافت ہے۔ قرآن مجید کے مجموعی نظام پر ایک مختصر بحث مقالہ کے آخری حصہ میں موجود ہے۔ یہ مسئلہ ایک مستقل بحث کا طالب ہے۔ احکام وشرائع میں نظم اور سور قرآنی کے مختلف گروپوں میں ربط وتعلق، قرآن کے مجموعی نظام کے بنیادی اجزاء ہیں، راقم نے ''نظم سے نظام تک'' کے عنوان سے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ ''نظریہ نظم قرآن اور اس کا ارتقا'' میں ایک مستقل فصل کے تحت اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۲۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تدبر قرآن، ۱/۲۴-۲۷۔ اس کا مختصر ذکر مقالہ کے آخری حصے میں بھی موجود ہے۔

۲۴۔ ملاحظہ ہو رسائل الامام الفراہی، ص ۸۷

۲۵۔ نفس مصدر، ص ۸۹

۲۶۔ تدبر قرآن، ۲/ ۲۳۷

۲۷۔ نفس مصدر، ۲/ ۲۳۸

۲۸۔ نفس مصدر، ۲/ ۲۴۶

۲۹۔ تدبر قرآن، ۲/ ۲۳۸-۲۴۰، ۲۴۷-۲۹۶

۲۹/الف۔ نفس مصدر، ۲/ ۲۹۴۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر چہ مولانا اصلاحی نے آغاز سورہ میں ابواب کی حیثیت سے اس کے اجزاء کو تقسیم نہیں کیا ہے لیکن مختلف حصوں کے اختتام پر سابق حصے کے خاتمہ اور نئے حصے کے آغاز کی طرف انھوں نے اس انداز میں ضرور اشارہ کیا ہے جس سے سورہ کے بنیادی ابواب کی اچھی طرح نشاندہی ہو جاتی ہے۔ مثلاً پہلے باب کے مضامین کا تجزیہ کرنے کے بعد وہ آخر میں فرماتے ہیں "یہ خاتمہ باب کی آیات ہیں" اس طرح کے اشارات دوسرے ابواب سے متعلق بھی کیے گئے ہیں۔ سورہ کے مختلف حصوں کا تجزیہ اور ابواب کی تقسیم کی وجہ یہی ہے کہ وہ مولانا فراہی کی طرح ہر سورہ کو معنوی وحدت کی حامل تصور کرتے ہیں۔

۳۰۔ دیکھیے تدبر قرآن، ۲/ ۲۴۰-۲۴۲ نیز ۲/ ۳۱۸-۳۸۳

۳۱۔ نفس مصدر، ۲/ ۳۰۴

۳۲۔ تدبر قرآن، ۲/ ۳۶۶-۳۶۷

۳۳۔ اس حصے کا نظم سمجھنے کے لیے دیکھیے، تدبر قرآن، ۲/ ۳۹۳-۴۳۸

۳۴۔ نفس مصدر، ۲/ ۳۹۳

۳۵۔ نفس مصدر، ۲/ ۳۹۳

۳۶۔ دیکھیے تدبر قرآن، ۲/ ۳۹۳-۳۹۴

۳۷۔ نفس مصدر، ۲/ ۴۱۵

۳۸۔ نفس مصدر، ۲/ ۴۳۸-۴۳۹

۳۸/الف۔ مستنصر میر صاحب کے اس تحقیقی مقالہ پر مشی گن یونیورسٹی، امریکہ نے انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی تھی۔ یہ مقالہ پہلی بار ۱۹۸۳ میں امریکہ سے ہی کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے Mustansir,Mir Themetic and Structural Coherence In the Quran: Study of Islahi's concept of Nazm, Indianapolis (U.S.A), 1983,pp125۔ برسوں پہلے اس کتاب پر ایک جامع تبصرہ پروفیسر عبید اللہ فراہی کے قلم سے آچکا ہے۔ دیکھیے ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۶، ص ص ۱۲۰-۱۳۱

۳۹۔ مثالوں کے لیے دیکھیے "کوہرنس ان دی قرآن" ص ص ۲۵، ۳۵، ۴۲، ۴۴ اور ۴۶

۴۰۔ دیکھیے نفس مصدر، ص ۳۵، ۵۰، ۸۵۔

۴۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے کوہرنس ان دی قرآن، ص ۲۵، ۴۳۔ وہ لکھتے ہیں "جن سورتوں کی تفسیر مولانا فراہی نے کی ہے ان کی تفسیر میں وہ اپنے استاذ سے بہت زیادہ اخذ و استفادہ کرتے ہیں (Barrows very heavily from his teacher's) لیکن بڑی مدنی سورتوں کی تفسیر میں وہ بڑی حد تک اوریجنل ہیں۔ دیکھیے نفس مصدر، ص ۴۳ نیز ص ص ۵۰، ۸۵

۴۲۔ نفس مصدر، ص ۵۰

۴۳۔ نفس مصدر، ص ۵۰

۴۴۔ تفسیر نظام القرآن، ص ۵۲

۴۵۔ اس تفسیر کو پہلی بار ہندوستان سے دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، نے ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔

۴۶۔ رسائل الامام الفراہی، ص ۱۰۵

۴۷۔ حواشی قرآن (حاشیہ بر سورہ نساء)

۴۸۔ تدبر قرآن، ۲/ ۲۳۷

۴۹۔ تدبر قرآن، ۲/ ۱۴

۵۰۔ تدبر قرآن، ۲/ ۲۳۷

۵۱۔ تدبر قرآن، ۲/ ۳۰۴

۵۲۔ حواشی قرآن، حاشیہ بر سورہ نساء، آیات ۲۵-۲۸

۵۳۔ تدبر قرآن، ۲/ ۲۸۱۔ واضح رہے تذکیر کا آغاز دراصل آیت ۲۵ کے آخری حصہ سے ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے مولانا فراہی نے اسے بھی تذکیری و تنبیہی آیات میں شامل کیا ہے، جب کہ مولانا اصلاحیؒ نے اسے ۲۶-۲۸ کی آیات پر مشتمل مانا ہے۔ یہ ایک انتہائی جزوی فرق ہے جس سے نفسِ مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۵۴۔ دیکھیے تدبر قرآن، ۲/ ۳۰۴-۳۰۵

۵۵۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء، آیات ۴۴-۵۷

۵۶۔ تدبر قرآن، ۲/ ۲۹۳

۵۶الف حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء: آیات ۳۶-۴۳

۵۷۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء، آیات ۵۸-۷۰

۵۸۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء، آیات ۷۰-۱۰۴

۵۸الف تدبر قرآن، ۲/ ۳۳۲

۵۹۔ تدبر قرآن: ۲/ ۳۹۳

۶۰۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء، آیات: ۱۰۵-۱۲۶

۶۱۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء، آیات: ۱۲۷-۱۲۹

۶۲۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حواشی، حاشیہ بر سورہ نساء، آیات ۱۲۷-۱۳۰۔

۶۳۔ دیکھیے تدبر قرآن، ۲/ ۳۹۳

۶۴۔ نفس مصدر، ۲/ ۲۴۳

۶۵۔ حواشی قرآن، مولانا فراہی، حاشیہ بر سورۂ نساء، آیت ۳

۶۶۔ راقم نے اس آیت کے نظم پر ایک مستقل مضمون میں الگ سے بحث کی ہے۔ جس میں نظم کلام کی بنیاد پر مولانا فراہی اور دیگر مفسرین کی رایوں کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ عام مفسرین نے اس آیت کی تاویل میں حضرت عائشہؓ سے منقول ایک روایت پر بھروسہ کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چوں کہ اس وقت کے سماج میں عام طور سے لوگ یتیم لڑکیوں کے مال اور جمال کی وجہ سے ان سے شادی کرنا چاہتے تھے اور یہ بھول جاتے تھے کہ ان لڑکیوں کے تعلق سے ان کے اوپر کچھ واجبات بھی ہیں جن کی ادائیگی شادی کے بعد ضروری ہے۔ چنانچہ ان کی اصلاح کے لیے یہ آیت نازل کی گئی ہے۔ جس میں اس قسم کا طرزِ عمل اختیار کرنے سے لوگوں کو روکا گیا ہے۔ عام مفسرین کی اس رائے کی دلیل اور مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۰ء، ۵/ ۱۳۹-۱۴۰، ابن جریر طبری، تفسیر طبری، دار المعرفۃ ، بیروت، ۱۹۸۳ء، ۳/ ۱۵۳-۱۵۴، قرطبی، تفسیر القرطبی، دار الاحیاء التراث العربی۔ بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ء، ۵/ ۱۱، علامہ آلوسی، روح المعانی۔ دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ۱۹۹۴ء، ۲/ ۴۰۵

۶۷۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء۔ آیت، ۱۲۷

۶۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تدبر قرآن، ۲/ ۳۵۱-۳۵۳، نیز ۲/ ۳۹۷-۳۹۸

۶۹۔ تدبر قرآن، ۲/ ۳۵۲

۷۰۔ تدبر قرآن ۱/ ۲۶

۷۱۔ سورۂ حجر: ۸۷

۷۲۔ تدبر قرآن، ۱/ ۲۶

۷۳۔ نفس مصدر، ۱/ ۲۷

۷۴۔ دیکھیے تدبر قرآن، ۴/ ۳۷۷-۳۷۸

۷۵۔ دیکھیے رسائل الامام الفراہی: ۱۰۵، ۱۱۱

۷۶۔ مولانا فراہی، تفسیر نظام القرآن، سورۃ البقرہ، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر اعظم گڑھ،

۲۰۰۰، ص ص ۲۹-۳۱۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ آل عمران۔ تفسیر سورۂ بقرہ سے قبل اس کی سابق سورہ الفاتحہ اور لاحق سورہ آل عمران کے ساتھ اس کے نظم و ربط پر انھوں نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور آل عمران سے اس کی تقدیم کے نظم کے نقطہ نظر سے چار اسباب بھی بیان کیے ہیں۔

۷۷۔ تفسیر نظام القرآن، سورۃ البقرۃ، ص ص ۳۰-۳۱

۷۸۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نساء۔ تمہیدی کلمات

۷۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تدبر قرآن، ۲/۹-۱۳۔ اس بحث کے آخر میں حاشیہ میں لکھا ہے ''یہ تمہیدی بحث بیشتر استاذ رحمۃ اللہ علیہ کے افادات سے ماخوذ ہے''

۸۰۔ تدبر قرآن، ۲/۱۲

۸۰/الف۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، حواشی مولانا فراہی: حاشیہ بر سوۂ اعراف، تدبر قرآن، ۳/۲۱۵

۸۱۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ یونس تدبر قرآن: ۴/۹۸

۸۲۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ رعد، تدبر قرآن: ۴/۲۶۳

۸۳۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ بنی اسرائیل، تدبر قرآن: ۴/۵۵۱

۸۴۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ کہف، تدبر قرآن: ۴/۶۲۹

۸۵۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ حشر، تدبر قرآن: ۸/۲۷۹

۸۶۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ منافقون، تدبر قرآن: ۸/۳۹۳

۸۷۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ اعراف، وہ دلائل النظام میں اعراف کے تعلق سے لکھتے ہیں ''تنذر اهل القری وتوعدهم بالهزم وغلبة الحق، دیکھیے رسائل الفراہی، ص ۱۰۶

۸۸۔ تدبر، ۳/۲۱۵

۸۹۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ یونس

۹۰۔ تدبر قرآن، ۴/۹۸

۹۱۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ کہف

۹۱/الف۔ تدبر قرآن: ۴/۵۵۱

۹۲۔ نفس مصدر، ۵/۳۵۵

۹۳۔ رسائل الامام الفراہی، ۱۰۴-۱۰۸

۹۴۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نور

۹۵۔ تدبر، ۵/۳۵۵

۹۶۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ شعراء

۹۷۔ حواشی، حاشیہ بر سورۂ نمل

۹۸۔ دیکھیے تدبر قرآن، ۵/۴۹۵، ۵/۵۷۳

۹۹۔ امام ابن الزبیر الثقفی نے اپنی کتاب ''البرہان فی تناسب سور القرآن'' میں قریبی سورتوں کے باہمی تعلق پر سیر حاصل بحث کی ہے اور تمام سور قرآنی کے نظم کا اس طور سے احاطہ کیا ہے۔ بعض مثالوں کے لیے دیکھیے: ص ص ۷۷-۷۸، ۷۹، ۸۰ (سورہ فاتحہ و سورہ بقرہ کا باہمی ربط)، ۸۰، ۸۵ (سورہ آل عمران و سورہ بقرہ کا باہمی نظم)، ۸۵-۸۸ (سورہ نساء و سورہ مائدہ کا باہمی نظم، ۱۰۵ (سورہ انفال و سورۂ برات کا باہمی نظم و ربط) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ ابن الزبیر الثقفی اور نظم قرآن، مطبوعہ سہ ماہی ''نظام القرآن''، مدرسۃ الاصلاح، اعظم گڑھ، جلد ۲، شمارہ جولائی-ستمبر، ۲۰۰۱، ص ۵۷-۶۹؛ جلد ۲، شمارہ اکتوبر-دسمبر، ۲۰۰۱، ص ۴۵-۵۷۔

۱۰۰۔ دیکھیے تدبر قرآن: ۲/۲۷

۱۰۱۔ تدبر قرآن، ۱/۲۵

۱۰۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تدبر قرآن، ۱/۲۵

۱۰۳۔ نفس مصدر، ۱/۲۵

۱۰۴۔ نفس مصدر، ۱/۲۵

۱۰۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تدبر قرآن، ۱/۲۶-۲۷

۱۰۶۔ کوہرنس ان دی قرآن، ص ۸۵

۱۰۷۔ رسائل الامام الفراہی ص ۸۶

۱۰۸۔ نفس مصدر، ص ص ۸۶-۸۷

۱۰۹۔ نفس مصدر، ص ۸۹

۱۱۰۔ نفس مصدر، ص ۸۹

۱۱۱۔ دیکھیے رسائل الفراہی، ص ص ۴۵-۴۶؛ تفسیر نظام القرآن، ص ۲۰

۱۱۲۔ دیکھیے رسائل الامام الفراہی، ص ۱۰۳-۱۰۴، مولانا فراہی کے ۹ گروپ اس طرح ہیں (۱) ۱-۵ (۲) ۶-۹ (۳) ۱۰-۲۲ (۴) ۲۳-۲۴، (۵) ۲۵-۳۳ (۶) ۳۴-۴۹ (۷) ۵۰-۶۶ (۸) ۶۷-۱۱۲ (۹) ۱۱۳-۱۱۴ (دیکھیے رسائل الامام الفراہی، ص ص ۱۰۴-۱۰۵

۱۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: رسائل الامام الفراہی، ص ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۰

۱۱۴۔ نفس مصدر، ص ۱۰۴

۱۱۵۔ تدبر قرآن، ۱/۲۶

۱۱۶۔ نفس مصدر، ۱/۲۶

۱۱۷۔ دیکھیے رسائل الامام الفراہی، ص ص ۹۶-۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱-۱۰۲

۱۱۸۔ نفس مصدر، ص ۹۶

۱۱۹۔ تدبر قرآن، ۱/۲۶-۲۷

۱۲۰۔ مولانا فراہی نے مراحل دعوت و نبوت کو سامنے رکھ کر سور قرآنی کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کے مضامین و مطالب کا جو باہمی نظم بیان کیا ہے، اس پر ان کی کوئی مکمل بحث نہیں ملتی لیکن دلائل النظام کے آخری حصے کے مباحث اور حواشی کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے پر ان کا تصور پوری طرح ابھر کر سامنے آجاتا ہے، جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ یہاں یہ اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دلائل النظام میں ''عمود السور اجمالا'' کے عنوان سے تمام سور قرآنی کے مرکزی موضوعات اور ان کے باہمی تعلق و

ربط پر جس طرح روشنی ڈالی ہے اس سے مضامین و مطالب کے لحاظ سے قرآن کے تین بنیادی اجزاء اور ان کے موضوعات کی نشاندہی بخوبی ہوجاتی ہے۔ خوش قسمتی سے اس بحث میں تمام سورتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور درمیان میں (جملہ ثانیہ) کی سرخی لگا کر اس کے نیچے یہ لکھا ہے ''من سورہ ۱۰- الی سورہ ۲۴۔ انذار و تبشیر، واجزاء الکلام من وسط النبوۃ الی وسط الہجرۃ بالترتیب الزمانی'' (یہ گروپ ۱۰ سے ۲۴ تک کی سورتوں پر مشتمل ہے اور ترتیب زمانی کے لحاظ سے موضوع کلام نبوت کے درمیانی دور سے ہجرت کی درمیانی مدت پر محیط ہے) اس سے پہلے کے گروپ کا تو خود بخود اندازہ ہوجاتا ہے اور تیسرے گروپ کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ دوسرے گروپ یعنی سورہ نمبر ۲۴ (سورہ نور) پر بحث کے بعد درمیان صفحہ ایک خط کھینچ دیا گیا ہے۔ اس طرح نزول قرآن کی تاریخ نبوت، دعوت اور ہجرت کے تاریخی مراحل کو سامنے رکھ انھوں نے بحیثیت مجموعی سور قرآنی کے بنیادی موضوعات کا جو تجزیہ پیش کیا ہے اور قرآن کے مجموعی نظام کی جو ٹھوس بنیادیں فراہم کی ہیں وہی ان کے فلسفۂ نظام القرآن کی اصل روح ہے اور اسی کی بنیاد پر انھیں ''فلسفہ نظام القرآن'' کا معلم اول مانا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے رسائل الامام الفراہی، ص ص ۱۰۵-۱۰۹۔ راقم نے اپنے ایک مقالہ میں ''نظم سے نظام تک'' کے عنوان سے اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۱۲۱۔ تدبر قرآن، ۱/۲۷

۱۲۲۔ دیکھیے رسائل الامام الفراہی، ۹۷، ۹۸، (بشمول افادات)

۱۲۳۔ نفس مصدر، ص ۹۸

۱۲۴۔ نفس مصدر، ص ۹۸

۱۲۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ رسائل الامام الفراہی، ص: ۱۰۸ (تیسرے حصہ کے موضوعات کی تفصیل)

☆